بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انسانیت کے نجات دھندہ

تالیف: الشیخ عبدالرحمٰن الشیحة

اردو قالب: فلك شير چيمه

مقدمہ

تمام تعریف اللہ ہی کے لائق ہے، جو جہانوں کا ربّ ہے۔ اللہ اپنے نبی ﷺ کا ذکر بلند کرے، انکے اور انکے اہل بیت کو ہر طرح کی تحقیر و تنقیص سے محفوظ و مامون رکھے۔ جب کوئی شخص نبی ﷺ کے بارے میں بات چیت کرر ہا ہو تو اسے ذہن نشین ہونا چاہئے کہ وہ تاریخ کے عظیم ترین فرد کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ اور عظمت کا یہ دعوٰی بے بنیاد ہر گز نہیں ہے۔ جو شخص بھی پہلے ہی سے کوئی نظریہ قائم کئے بغیر سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرتا ہے، نبی ﷺ کے آداب و اخلاق سے آگہی حاصل کرتا ہے، وہ اسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ کچھ انصاف پسند غیر مسلم اس نتیجے پر پہنچے بھی ہیں۔

پروفیسر حسن علیؒ اپنے مجلّہ 'نور الاسلام' میں لکھتے ہیں کہ ان کے ایک برہمن دوست نے ایک دفعہ ان سے کہا 'میرے نزدیک تاریخ میں سب سے زیادہ عظیم اور کامل و بالغ نظر شخص محمد ﷺ ہیں'۔ پروفیسر حسن علیؒ نے اس سے پوچھا 'تمہارے اس مؤقف کی دلیل کیا ہے؟'۔ اس نے جواباً کہا: ''مجھے کوئی انسان ایسا نظر نہیں آتا، جس میں اتنی خوبیاں، اخلاق اور آداب ایک جگہ اکٹھی ہوں۔ سارا جزیرۃ العرب ان کی بادشاہی میں متحد تھا، لیکن وہ انتہائی عاجز و نرم خو تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اس اقتدار کا مالک خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ ساری دنیا سے دولت کے انبار ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتے، لیکن وہ پھر بھی غربت میں شب و روز گزارتے۔ کتنے ہی دنوں تک ان کے گھر میں آگ تک نہ جلتی اور وہ عظیم انسان فاقہ کشی کرتا۔ محمد ﷺ عظیم ترین رہنما تھے، انہوں نے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بڑے بڑے لشکروں سے ٹکرا دیا، صرف ٹکرایا ہی نہیں بلکہ اُن عظیم لشکروں کو فیصلہ کُن شکستوں سے دوچار بھی کیا۔ وہ امن کے شیدائی تھے، اُن کے جلو میں ہزاروں بہادر ساتھی کھڑے ہوتے، پھر بھی وہ امن معاہدوں کے لئے تیار ہو جاتے۔ ان دلاوروں میں سے ایک ایک اتنا شجاع تھا کہ اگر اسے ہزاروں کے لشکر سے ٹکرا جانے کا حکم ہوتا تو وہ دریغ نہ کرتا، اس سب کے باوجود وہ نرم دل، رحم خو تھے، خون کا ایک قطرہ بھی بیجا بہانا پسند نہ کرتے تھے۔ اگرچہ وہ پورے جزیرۃ العرب کے معاملات میں شدید مصروف ہوتے، پر یہ مصروفیت انکے لئے اپنے گھر، اہل خانہ، غریبوں اور ضرورتمندوں کے معاملات کیلئے وقت نکالنے میں رکاوٹ نہ بنتی تھی۔ وہ راہ بھٹکے لوگوں کو سیدھے رستے پہ لانے کے انتہائی آرزومند تھے۔ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے خواہاں تھے، لیکن خود کو انہوں نے دنیاوی مال اکٹھا کرنے سے کوسوں دور رکھا۔ انہوں نے خود کو اللہ کی عبادت میں مصروف رکھا۔ انہیں ان اعمال کی لگن تھی جو اللہ کی رضا کا باعث بنتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ وہ تو اپنے شدید ترین دشمنوں کے لئے بھی بددعا نہیں کیا کرتے تھے، بس انہیں اللہ کی پکڑ سے ڈرایا کرتے تھے۔

دنیاوی لحاظ سے وہ زہد وعبدیت کا کامل نمونہ تھے، ساری ساری رات اللہ کے حضور اظہار عجز و نیاز کرتے رہتے۔ وہ جری و باحوصلہ سپاہی تھے جس نے تلوار سے خود لڑائی کی۔ وہ معصوم پیغمبر بھی تھے اور فاتح بھی جنہوں نے اقوام وملل کو مسخر کیا۔ وہ بان کے بستر پہ سوتے اور کترنوں بھرا سرہانہ رکھتے۔ وہ عرب کے سلطان تھے، لیکن ان کے اہل خانہ بالکل سادہ زندگی گزارتے تھے، حتّی کہ جب بے شمار دولت مدینے میں آنے لگی اور مسجد میں دولت کے انبار لگ جاتے تھے، تب بھی۔

یہ بھی ایک منظر ہے، سرور کائناتﷺ مسلمانوں میں غلام اور لونڈیاں تقسیم کر رہے ہیں، فاطمہ جگر گوشہ محمدﷺ نے اپنے ہاتھ دکھائے ہیں اور کہا ہے ''بابا! چکی پیس پیس کے ہاتھ کھردرے ہوگئے ہیں، پانی کی مشکیں اُٹھا اُٹھا کے جسم پہ نشان پڑ گئے ہیں، کوئی غلام عنائت ہو''۔ انہوں نے غلام اپنی بیٹی کو نہ دیا بلکہ چند الفاظ سکھائے کہ انہیں پڑھنا غلام لینے سے بہتر ہے۔

اور یہ بھی: عمرؓ، جواُن کے صحابی تھے، آپﷺ کے گھر آتے ہیں، کمرے میں نظر دوڑاتے ہیں، کمرے میں کھجور کی اس چٹائی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، جس پہ سلطان عرب تشریف فرما ہیں اور جس کے نشان آپﷺ کے جسم پہ ثبت بھی ہیں۔ کھانے کے لئے گھر میں صرف نصف صاع جو اور ایک پانی کی مشک لٹکی ہے۔ یہی ہے وہ کل اثاثہ جو پیغمبرﷺ کی ملکیت تھا۔ عمرؓ نے یہ دیکھا تو خود پہ قابو نہ رکھ سکے اور رو دیے۔ نبیﷺ نے عمرؓ کو روتے دیکھا تو پوچھا، ''عمرؓ! کیوں روتے ہو؟ عمرؓ نے کہا ''میں کیوں نہ روؤں جبکہ قیصر و کسریٰ تو مزے سے زندگی گزاریں اور اللہ کے پیغمبرﷺ کے گھر کی یہ حالت ہو''۔ دوراندیش ترین انسان نے کہا ''اے عمرؓ! کیا تو اس بات پہ راضی نہیں ہے کہ قیصر و کسریٰ تو اس دنیاوی زندگی کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت (ہمیشہ ہمیشہ) میں سے حصہ پائیں اور ان کو وہاں کچھ نہ ملے''۔

اور یہ منظر بھی: فتح مکہ کا روز ہے، نبیﷺ اپنی فوج کا معائنہ فرمانے لگے۔ آپﷺ کے حقیقی چچا عباسؓ کے ہمراہ سردار قریش ابوسفیان کھڑے ہیں، تاحال اسلام قبول نہیں کیا۔ قریشی سردار ملت اسلامی کے اس عظیم لشکر کے جھنڈے اور جوان دیکھ رہے ہیں۔ مکہ سے تنہا ابوبکرؓ کے ساتھ نکلنے والے محمدﷺ آج سیلاب کی مانند پھیلے ہوئے اس لشکر کو لیکر فاتحانہ وادی بطحا میں داخل ہو رہے ہیں، یہ سب دیکھ کر ابوسفیانؓ کہنے لگے ''عباسؓ! تیرا بھتیجا تو بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے''۔ عباسؓ نے فوراً کہا ''بادشاہت ایسی نہیں ہوتی، یہ تو نبوت کا اعجاز ہے، اسلام کے حقیقی پیغام کا''۔

اور یہ بھی: عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے جناب عدی مذہباً عیسائی تھے، عیسائی پیشواؤں کے بڑے بڑے دربار، مجلسیں دیکھ چکے تھے۔ مدینہ تشریف لائے، دیکھا کہ اصحاب محمدﷺ کیسے محمدﷺ کی تعظیم وعزت کرتے ہیں، سوچ میں پڑ گئے، اتنی عزت! اتنی محبت! یہ بادشاہ ہیں یا اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی؟ ابھی اسی سوچ میں ہی غلطاں تھے کہ ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی، اے اللہ کے نبیﷺ مجھے آپ سے کچھ راز کی بات کہنا ہے! آپﷺ نے فرمایا ''مدینہ کی کونسی گلی ہے، جہاں جا کے تو میرے ساتھ بات کرنا چاہتی ہے'' اٹھے اور اس کمزور خاتون کی ضرورت پوری کی۔ عدیؓ نے نبیﷺ کی شفقت ورافت کو دیکھا تو حق سینے میں اتر گیا، گلے میں پہنی صلیبیں اتار پھینکیں اور اسلام کا جوا گلے میں ڈال لیا۔

اس کتاب میں ہم چند متکلمین و مستشرقین (غیر مسلم دانشور جو اسلام سے متعلق علوم کے حامل ہوں) کے نبی ﷺ سے متعلق اقوال بھی درج کریں گے۔ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم حضرت محمد ﷺ کی نبوت پہ ایمان رکھتے ہیں، پھر ہم نبی ﷺ کی نبوت پہ غیر مسلم دانشوروں کی گواہی کیوں پیش کرنے جا رہے ہیں، تو اس کی دو وجوہات ہیں۔

☆ تا کہ وہ نام نہاد مسلمان جنہوں نے اپنے عظیم و مکرم نبی ﷺ کا دامن چھوڑ رکھا ہے، انہیں فہمائش و نصیحت کی جائے کہ دیکھو! غیر مسلم تو تمہارے نبی ﷺ کی عظمت کا اعتراف کئے ہوئے ہیں مگر تم .... ان کی سنت سے منہ موڑے ہوئے اور ان پہ منزل قرآن سے ناتہ توڑے ہوئے ہو

☆ دوسرا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلم بھی یہ جان لیں کہ انہی میں سے انصاف پسند اہل علم نے پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمت کا کس طرح اعتراف کیا ہے، اور یوں اسلام کے یہ پیدائشی حقدار انسان بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہو کر اپنی عاقبت سنوار سکیں۔

میں اپنے غیر مسلم دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ حق کی تلاش میں نکلیں، یہ کتاب پڑھیں یا دوسری اسلامی کتب تو اپنے ذہن میں پہلے سے قائم کوئی بھی تصور اور تعصب نکال پھینکیں۔ میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ آپ کا سینہ اسلام کے لئے کھول دے، آپ کا دل اسلام کی طرف موڑ دے، تا کہ آپ حق قبول کریں۔ اے اللہ ہم سب کو سیدھا راستہ دکھا اور اس پہ چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین

برائے رابطہ مترجم:

falak007@hotmail.com

sharekhan2003@yahoo.com

092-0322-6354973

postal address:Falak Sher Cheema, Dar-e-Arqam School

Faiz park, Housing Colony Lahore road, Sheikhupura, Punjab, Pakistan

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں

نام ونسب:

آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ، والد محترم کا نام عبداللہ اور انکے والد کا اسم گرامی عبدالمطلب ہے۔حضرت محمد ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔آپکا نسب عظیم پیغمبر حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ (اللہ کے چنیدہ دوست) کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے عدنان سے جا ملتا ہے۔آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ بنت وہب ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

’’دراصل اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو منتخب فرمالیا، اللہ تعالیٰ نے بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ نے قریش میں سے بنو ہاشم کے خاندان کو منتخب فرمالیا اور پھر بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا‘‘ (صحیح مسلم 2276)

یعنی کہ روئے زمین پر موجود تمام انسانوں میں سے بڑھ کر محمد ﷺ کا نسب معزز و منتخب ہے۔آپ ﷺ کے نسب کے اتنے مکرم و معزز ہونے کو آپ ﷺ کے دشمن بھی تسلیم کرتے تھے۔اسلام قبول کرنے سے پہلے قریش کا سردار ابوسفیان اسلام کا بدترین دشمن تھا، روم کے حکمران ہرقل کے دربار میں جب ابوسفیان سے محمد ﷺ کے نسب کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے آپ کی خاندانی نجابت اور معزز نسب کا اقرار کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔آپ ﷺ نے یہ خط حضرت دحیہ کلبیؓ کو دیا، جنھوں نے یہ خط بصریٰ کے گورنر کو جا تھمایا، جس نے یہ خط آگے قیصر روم تک پہنچا دیا۔قیصر روم کو اسی دوران ایرانی سلطنت پہ فتح نصیب ہوئی تھی، اس لئے وہ حمص شہر سے یروشلم یعنی بیت المقدس تک پیدل سفر کر کے گیا تھا، تاکہ اپنے اس فعل سے اللہ کے ہاں شکر گزاری ظاہر کر سکے۔جب اُس کو بیت المقدس میں نبی ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے کہا کہ اگر اہل عرب یعنی قریشیوں میں سے اگر کوئی اس وقت یہاں ہو تو اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے نبی ﷺ کے متعلق کچھ سوالات کر سکوں۔اتفاقاً اس وقت ابوسفیانؓ بن حرب جو ابھی غیر مسلم ہی تھے، کچھ دیگر لوگوں کے ساتھ شام میں تجارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ابوسفیانؓ خود ہی بیان فرماتے ہیں:

’’قیصر کا ایک ہرکارہ ہمیں شام کے قریب کہیں ملا، اس نے ہمیں لیا اور ہم سب ایلیا (بیت المقدس) پہنچ گئے، وہاں ہمیں قیصر روم کے دربار میں پیش کیا گیا، قیصر اپنا شاہی تاج پہنے اپنے تخت پہ جلوہ افروز تھا، بازنطینی سلطنت کے بڑے بڑے سردار اس کے اردگرد بیٹھے تھے۔اس نے

اپنے مترجم سے کہا ''ان سے پوچھو کہ ان کی قوم میں سے جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، تم میں سے کون اس کا قریب ترین رشتہ دار ہے''
ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا ''میں اس کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں''۔ قیصر نے پوچھا ''تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟'' ابوسفیانؓ کہتے ہیں میں نے کہا ''میں اس کا رشتے میں بھائی ہوں دیگر قافلے میں بنی عبد مناف (نبی ﷺ کا قبیلہ) سے اور کوئی شخص نہ تھا''۔ قیصر کہنے لگا ''اسے آگے آنے دو'' پھر قیصر نے اپنے مترجم سے کہا کہ ''اس کے ساتھ والے تمام لوگوں کو کہو کہ اس کے پیچھے آ کے کھڑے ہو جائیں، میں اس سے اس نبوت کے داعی کے متعلق کچھ سوالات کرنے لگا ہوں، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگوں نے فوراً اس کی نفی کرنی ہے''

ابوسفیانؓ کہتے ہیں ''اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں محمد ﷺ کے متعلق قیصر کے سوالات کا جواب جھوٹ میں دیتا۔ لیکن میں نے اسے برا جانا کہ میرے ساتھی مجھے جھوٹا کہیں، لہٰذا میں نے سوالوں کے جواب ٹھیک ٹھیک دیے۔

پھر قیصر نے اپنے مترجم سے کہا ''اس سے پوچھو کہ وہ جو نبوت کا دعویٰ کرنے والا شخص ہے، اس کا خاندان (نسب) کیسا ہے؟'' ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا ''وہ ہمارے خاندانوں میں سے معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں''۔ پھر قیصر نے پوچھا ''کیا اس سے پہلے تمہاری قوم میں سے کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟'' ابوسفیان نے جواب دیا ''نہیں''۔ پھر قیصر نے پوچھا ''یہ جو شخص نبوت کا داعی ہے، اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم لوگوں نے اس پہ جھوٹا ہونے کا الزام لگایا ہے'' ابوسفیان نے کہا ''نہیں''۔ پھر قیصر نے پوچھا ''کیا کبھی اس داعی نبوت کے آباؤ اجداد میں سے کوئی شخص بادشاہ بھی رہا ہے؟'' ابوسفیان کہتے ہیں ''نہیں''۔ پھر قیصر نے اگلا سوال کیا ''غریب لوگ اس شخص کا ساتھ دے رہے ہیں یا امیر؟'' میں نے کہا ''غریب لوگ اس کا ساتھ دے رہے ہیں'' پھر قیصر نے سوال کیا ''کیا وہ (روزانہ) بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟'' ابوسفیان نے جواب دیا ''وہ بڑھ رہے ہیں'' پھر قیصر نے سوال کیا ''اگر کوئی اس داعی نبوت کا ساتھی بن جائے، تو پھر کبھی ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ دین سے ناراض ہو کر دین چھوڑ جائے'' ابوسفیان کہتے ہیں ''نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا''۔ پھر قیصر نے سوال کیا ''کیا وہ وعدہ خلافی تو نہیں کرتا؟'' ابو سفیان کہتے ہیں ''نہیں اب تک تو نہیں البتہ اب ہمارے اور اس کے درمیان صلح ہوئی ہے، ہمیں خدشہ ہے کہ وہ وعدہ وفا نہیں کرے گا'' بعد میں ابوسفیان فرماتے ہیں کہ اس آخری جملے کے سوا میں کچھ بھی ان کے خلاف نہیں کہہ سکا۔

پھر قیصر نے سوال کیا ''کیا کبھی تم لوگوں کی اس سے جنگ ہوئی ہے؟'' ابوسفیان نے کہا ''ہاں''۔ اس نے پوچھا ''تمہاری آپس کی جنگوں میں کون جیتا کون ہارا؟''۔ ابوسفیان کہنے لگے ''کبھی وہ جیتے اور کبھی ہم''۔ قیصر نے سوال کیا ''وہ تمہیں کیا کرنے کو کہتا ہے؟''۔ ابوسفیان کہتے ہیں ''وہ ہمیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، کہتا ہے اللہ کے ساتھ ساتھ جن دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو انہیں چھوڑ دو۔ وہ ہمیں باپ دادا کے معبود چھوڑنے کو کہتا ہے۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، صدقہ دینے، پاکدامن رہنے، وعدہ کی پاسداری کرنے اور امانت میں خیانت نہ کرنے کو کہتا ہے''

ابوسفیان کہتے ہیں جب میں یہ سب کچھ کہہ چکا تو قیصر نے اپنے مترجم سے کہا، ''اسے کہو: میں نے تم سے اس شخص (محمد ﷺ) کے نسب کے متعلق سوال کیا اور تم نے جواب دیا کہ وہ معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہے، یاد رکھو! انبیاء اپنی قوم کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتے

ہیں۔پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کی کبھی تمہاری قوم میں سے کسی نے پہلے ایسا دعوٰی کیا ہے،تم نے جواب نفی میں دیا۔اگر تم نے ہاں میں جواب دیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص وہی دعوٰی دوبارہ کرر ہا ہے جو اس سے پہلے تمہاری قوم میں سے کسی نے کرر کھا ہے۔پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کبھی اس پہ جھوٹ بولنے کا الزام تو نہیں لگا،تم نے نفی میں جواب دیا،اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا ،وہ اللہ رب العزت پہ بھی جھوٹ نہیں باندھنے والا۔پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا کبھی اس کے آباؤاجداد میں سے کوئی بادشاہ تو نہیں گزرا،تم نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔اگر تمہارا جواب ہاں میں ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ یہ شخص اپنی خاندانی بادشاہت واپس حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے کوشاں ہے۔پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ امیر اس کا ساتھ دے رہے ہیں یا غریب تو تم نے کہا کہ غریب لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں،حقیقت بھی یہی ہے کہ غریب لوگ ہی انبیاء کے پیروکار ہوا کرتے ہیں۔پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں،تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں،دراصل یہ ایمان حقیقی کی علامت ہے بشرطیکہ وہ حق ہو۔پھر میں نے سوال کیا کہ کوئی شخص اس کا دین قبول کرنے کے بعد دین سے بیزاری کی وجہ سے دین چھوڑ گیا ہے،تم نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا،درحقیقت یہ حقیقی ایمان کی علامت ہے،جب وہ دل میں اتر جاتا ہے تو ایسے گندھ جاتا ہے کہ نکلنے کا نام نہیں لیتا۔میں نے تم سے سوال کیا کہ کبھی اس نے وعدہ خلافی کی ہے،تم نے کہا نہیں،تو انبیاء کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔میں نے تم سے سوال کیا کہ کبھی تمہاری اس سے لڑائی بھی ہوئی،تم نے جواباً کہا کہ لڑائیاں ہوئی ہیں اور ان میں کبھی تمہیں فتح ملی اور کبھی انہیں،تو ایسا ہی نبیوں کے ساتھ ہوتا ہے،ان کو آزمایا جاتا ہے اور آخری فتح انہی کی ہوا کرتی ہے۔پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ وہ کس بات کا حکم دیتا ہے،تم نے کہا کہ وہ تمہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے،کہتا ہے اللہ کے ساتھ ساتھ جن دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو انہیں چھوڑ دو۔وہ تمہیں باپ دادا کے معبود چھوڑنے کو کہتا ہے۔وہ تمہیں نماز پڑھنے،صدقہ دینے،پاکدامن رہنے،وعدہ کی پاسداری کرنے اور امانت میں خیانت نہ کرنے کو کہتا ہے۔تو یہ تمام خوبیاں بتاتی ہیں،اور مجھے خبر تھی (پچھلی آسمانی کتابوں کے مطالعہ سے) کہ وہ آنے والے ہیں لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہونگے۔جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر یہ سچ ہے تو بہت جلد وہ میرے ان قدموں کے نیچے کی زمین کے مالک ہونگے اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ کہ میں ان تک پہنچ پاؤں گا تو میں فوراً ان کو ملنے کے لئے نکل کھڑا ہوتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو یقین کرو کہ میں ان کے پاؤں دھوتا''۔

ابوسفیان بتلاتے ہیں کہ پھر قیصر نے حضرت محمدﷺ کا بھیجا ہوا خط منگوایا،اسے پڑھوایا،وہ خط کچھ یوں تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے پیغامبر محمدﷺ کی طرف سے بازنطینی حکمران ہرقل کی طرف بھیجا گیا ہے۔جو ہدایت کی پیروی کرے ،اس پہ سلامتی ہو۔میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں،اسلام قبول کرلو،محفوظ رہو گے،اسلام قبول کرو گے تو اللہ سے دوہرا اجر پاؤ گے۔لیکن اگر تم اسلام کی دعوت ٹھکرا دیتے ہو تو اپنی رعایا کی گمراہی کے ذمہ دار بھی تم ہوگے۔''اے اہل کتاب!آؤ ایک ایسی کتاب کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے

کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں'' (سورۃ آل عمران، 64)''۔

ابوسفیان بیان فرماتے ہیں کہ جب ہرقل اپنی بات ختم کر چکا تو اس کے ارد گرد بیٹھے بازنطینی سرادروں نے اتنا شور وغوغا بپا کیا کہ کان پڑی سنائی نہ دیتی تھی، مجھے کچھ پلے نہ پڑا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، پھر ہمیں دربار سے باہر بھیج دیا گیا۔ جب ہم باہر آ گئے اور ہم علٰحدہ ہو گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''ابن ابی کبشہ (محمد ﷺ) کا معاملہ تو بہت آگے بڑھ چکا، یہ بنی اصفر کا بادشاہ، روم کا ہرقل اس سے خوف کھا رہا ہے''۔

ابوسفیان کہتے ہیں ''یہ بات میرے دل میں پختہ سے پختہ تر ہوتی گئی کہ محمد ﷺ کا دین ہی حق ہے حتٰی کہ میں اسلام لے آیا'' (صحیح البخاری، 2782)۔

جائے پیدائش اور بچپن:

نبی مکرم حضرت محمد ﷺ عیسوی کیلنڈر کے مطابق 571 میں جزیرۃ العرب کے سب سے معزز و مقدس شہر مکہ میں عرب کے سب سے معزز قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے، یاد رہے مکہ تب جزیرۃ العرب کا مذہبی مرکز تھا۔ یہیں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ اور انکے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ بھی تھا کہ جہاں عرب بھر سے لوگ حج کرنے کیلئے آتے اور خانہ کعبہ کا طواف بھی کرتے۔

محمد ﷺ یتیم پیدا ہوئے۔ والد گرامی پیدائش سے قبل ہی اور والدہ ماجدہ محض چھ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئیں۔ والدہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپکی دیکھ بھال کی، انکی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کو سنبھالا۔ محمد ﷺ کا اپنا قبیلہ اور دیگر عرب قبائل پتھر، لکڑی اور حتٰی کہ سونے کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان بتوں میں سے کچھ کعبہ کے قرب و جوار میں بھی نصب تھے۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ بت انہیں نفع و نقصان پہنچانے پہ قادر ہیں۔

محمد ﷺ سچے اور امانتدار تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دغا بازی نہ کی اور کبھی دھوکا دہی سے کام لیا۔ آپ ﷺ لوگوں میں 'امین' یعنی امانتدار کے لقب سے مشہور تھے، لوگ جب کہیں سفر وغیرہ پہ جایا کرتے تو اپنی امانتیں آپ ﷺ کے سپرد کیا کرتے۔ آپ ﷺ کو 'صادق' یعنی سچا بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے کبھی سچ کے سوا کچھ نہ بولا تھا۔ آپ ﷺ مہذب، خوش گفتار اور ہر دم لوگوں کی مدد کو تیار رہتے تھے۔ لوگ آپ ﷺ کی تعظیم کرت اور آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے، آپ ﷺ اخلاق حسنہ کے حامل تھے، خالق کائنات نے بھی فرمایا ہے ''بے شک تو خلق عظیم کا حامل ہے'' (القلم، 4)

تھامس کارلائل اپنی کتاب *"Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History"* میں لکھتا ہے:

''درحقیقت انہیں بچپن ہی سے صاحب دانش سمجھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھی آپ ﷺ کو 'الامین' کہا کرتے تھے، یعنی امانتدار، اپنی باتوں میں سچا اور قابل اعتماد، ایسا شخص جو اپنی سوچ، عمل اور قول میں بالکل سچا ہو۔ وہ لوگ (اہل مکہ) اس بات پہ غور کرتے تھے کہ ظاہراً یہ شخص

(محمد ﷺ) کتنا کم گو ہے، جہاں ضرورت نہ ہو وہاں ہرگز نہیں بولتا لیکن جب بولتا ہے تو متعلقہ مسئلہ پہ انتہائی صبر، خلوص اور دانش سے بھرپور بات کرتا ہے۔انکی بات ہمیشہ ہی ایسی ہوا کرتی تھی یعنی مصنوعی نہ تھی۔اپنی ساری عمر میں ہی ہم انہیں ایسا ہی صائب الرائے، مخلص اور سچا انسان پاتے ہیں۔ایک سنجیدہ، مخلص کردار، مگر ساتھ ہی ساتھ انتہائی ملنسار، پرجوش رفیق اور خوش طبع ساتھی۔انکی ہنسی بھی ان کی طرح حقیقی ہوتی تھی جبکہ ہم جانتے ہیں کہ کچھ لوگوں کی ہنسی بھی ان کی طرح مصنوعی ہوتی ہے۔ایک پرجوش اور سادہ طبع شخص، سچا ،جس میں صحرائی فطرت کا نور اور حسن پایا جاتا تھا۔امی تھے، مگر زندگی یوں گزاری کہ کون گزار پائے گا ایسی زندگی ......''

آپ ﷺ اپنی بعثت سے پہلے غار حرا میں تنہائی میں وقت گزارنا پسند فرماتے تھے، حتّٰی کہ کئی کئی راتیں وہاں گزار آتے۔آپ ﷺ جھوٹ بالکل نہ بولتے تھے، کوئی بھی نشہ آور چیز استعمال نہ فرماتے تھے، نہ ہی کبھی آپ کسی مجسمے یا بت کے سامنے جھکے نہ ہی انہیں سجدہ کیا، نہ ہی کبھی انکے نام کی قسم اٹھائی نہ ان کے نام کی منّت مانی نہ ہی نذر اور نہ انکے سامنے کبھی کوئی چڑھاوا چڑھایا۔آپ ﷺ نے اہل مکہ کی بکریاں بھی چرائیں، گویا چرواہے بھی رہے۔نبی ﷺ نے خود فرمایا ''اللہ کی طرف سے مبعوث ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں'' ساتھیوں نے پوچھا ''اللہ کے نبی ﷺ آپ نے بھی؟'' فرمایا ''ہاں! میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چراتا رہا ہوں'' (صحیح بخاری، 2143)

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس کے سن کو پہنچی تو حرا کے غار میں آپ ﷺ پہ اللہ کی طرف سے وحی (پیغام) نازل ہوئی۔ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں:

''غار حرا میں پہلی چیز جو نبی ﷺ پہ اترنا شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے وہ سب کچھ دن کی روشنی کی طرح واضح ہوتا اور پورا ہو جاتا۔بعدازاں نبی ﷺ غار حرا میں تنہا رہنا شروع ہوئے اور آپ ﷺ اس تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔آپ ﷺ کتنے کتنے دن اور راتیں وہیں گزارا کرتے، پھر واپس گھر آتے تھے۔آپ ﷺ ہر دفعہ اپنے ساتھ خوراک کا ذخیرہ ساتھ لے جاتے ،جب آپ واپس تشریف لاتے تو آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہؓ مزید خوراک آپ ﷺ کے حوالے فرما دیتیں اور آپ ﷺ پھر واپس حرا میں پہنچ جاتے۔''

''پھر اسی غار حرا میں اللہ کا مقرب فرشتہ جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس اللہ کا پیغام لے کر پہنچا، جبرائیلؑ نے نبی ﷺ سے کہا ''پڑھیے'' محمد ﷺ نے جواباً فرمایا ''میں پڑھ نہیں سکتا'' جبرائیلؑ نے محمد ﷺ کو سینے سے لگا کر بھینچا، حتّٰی کہ آپ ﷺ سانس بھی نہ لے سکتے تھے ، پھر چھوڑا اور نبی ﷺ سے فرمایا ''اے محمد ﷺ! پڑھیے'' نبی ﷺ نے پھر فرمایا ''میں پڑھ نہیں سکتا'' جبرائیلؑ نے دوبارہ آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور نبی ﷺ سے پڑھنے کو کہا۔جب آپ ﷺ نے پہلے والا جواب ہی دہرایا تو جبرائیلؑ نے تیسری دفعہ آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر اتنا بھینچا کہ سانس لینا آپ ﷺ کے لئے مشکل ہو گیا، پھر چھوڑا اور کہا اے محمد ﷺ! ''اپنے رب رب کے نام کے ساتھ پڑھیے، جس نے پیدا کیا ،جس نے انسان کو جمے ہوئے لوتھڑے سے پیدا کیا۔پڑھیے! اور آپکا پروردگار سب سے بڑھ کر باعزت ہے'' (سورۃ العلق، 3)''

نبی ﷺ اس عالم میں گھر لوٹے کہ جسم پہ کپکپی طاری تھی۔آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا ''مجھے ڈھانپ دو، مجھے ڈھانپ دو''۔حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ پہ کپڑا اوڑھایا، یہاں تک کہ کچھ دیر بعد آپ ﷺ کی طبیعت بہتر ہو گئی۔پھر آپ ﷺ نے

حضرت خدیجہؓ کو غار حرا میں پیش آنے والا سارا واقعہ کہہ سنایا اور فرمایا ''مجھے تو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا''۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ کہہ کے آپ ﷺ کو تسلی دی ''اللہ کی قسم! آپ ﷺ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ کبھی آپ ﷺ کو رسوا نہ کرے گا، آپ ﷺ تو اپنے خاندان والوں اور دوستوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں، غریبوں اور ضرورتمندوں کی مدد فرماتے ہیں، مہمانوں سے فیاضی اور سخاوت کا سلوک روا رکھتے ہیں اور آپ ﷺ تو ضرورتمندوں کی ضرورت میں مدد فرماتے ہیں۔''

پھر حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے ایک رشتہ کے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ دور جاہلیت میں یہ صاحب عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان میں صحیفے لکھا کرتے تھے۔ انکی عمر بھی کافی ہو چلی تھی اور نابینا بھی ہو چکے تھے۔ سیدہ خدیجہؓ نے ورقہ سے کہا ''بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی بات تو سنئے، یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' ورقہ نے پوچھا ''بھتیجے! تو نے کیا دیکھا ہے؟'' محمد ﷺ نے انہیں حرا میں پیش آنے والا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ سب کچھ سننے کے بعد ورقہ بن نوفل نے کہا ''اللہ کی قسم یہ تو وہی فرشتہ جبرائیلؑ ہے جو موسیٰؑ پہ نازل ہوا تھا، کاش میں اس وقت زندہ ہوں جب تمہاری قوم تمہیں (محمد ﷺ) مکہ سے باہر نکالے گی'' اللہ کے نبی ﷺ نے حیرانی کے عالم میں سوال کیا ''کیا وہ مجھے مکہ سے نکال باہر کریں گے؟'' ورقہ بن نوفل نے مضبوطی سے جواب دیا ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص (نبی) کو یہ پیغام ملا ہو جو تمہیں ملا ہے، اور پھر اس کی قوم نے اس سے جنگ نہ کی ہو۔ اگر میں اس وقت (قوم اور نبی ﷺ کی کشمکش کے وقت) موجود ہوا تو تمہاری مدد کروں گا''۔ اس واقعہ کے بعد ورقہ بن نوفل بہت تھوڑا جیئے اور جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس پہلی وحی کے بعد وحی کا سلسلہ بھی کچھ عرصہ کے لئے رک گیا۔ (صحیح البخاری، 3 مفہوم)

مندرجہ بالا حدیث میں نقل کردہ آیت قرآنی آسمان سے محمد ﷺ کو نبی کی حیثیت سے ملنے والی پہلی قرآنی وحی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی جانب مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں۔

''اے کمبل میں لپٹنے والے (محمد ﷺ)! اٹھ کھڑا ہو اور ڈرا، اور صرف اپنے رب کی پس بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پس پاک رکھ۔ (المدثر، 4-1)

سورۃ المدثر اس وقت کا تعین کرتی ہے جب نبی ﷺ کی بعثت کا آغاز ہوا۔ اس سورۃ کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے دعوت کا آغاز اپنے لوگوں سے کیا۔ کچھ لوگوں نے محض اس وجہ سے ان کی بات سننے سے سختی سے انکار کر دیا کہ انہوں نے پہلے یہ بات سنی ہی نہ تھی۔ دین اسلام ایک ایسا مکمل ضابطہ ہے جو انسانی زندگی کے مذہبی، معاشی، سیاسی اور سماجی امور کے متعلق مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اور پھر بس یہی نہیں کہ اسلام نے انہیں صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے اور بتوں کی پوجا چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ اسلام نے ان عربوں سے ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی عادات مثلاً سود خوری، منشیات، زنا اور جوا وغیرہ ترک کروا دیں۔ اسلام نے ہی انہیں بتایا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور اسلام نے ہی انہیں بتایا کہ بڑائی کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو گا وہ اتنا ہی معزز ہو گا، مالی اور معاشرتی طور پہ خواہ اس کی کوئی سی بھی حیثیت ہو۔ اب قریشیوں (معزز ترین قبیلہ) کو یہ بات

کیسے گوارا ہوتی کہ ایک غلام ان کے برابر ہو... سوانہوں نے نہ صرف انتہائی سختی سے محمدﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ الٹا انہیں دیوانہ، جادوگر اور جھوٹا کہا۔ اہل مکہ نے ان پہ وہ الزامات لگائے جو اسلام کی آمد سے قبل وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ انہوں نے دیہاتیوں کو محمدﷺ کے خلاف اکسایا، انہیں نقصان پہنچایا اور انکے ساتھیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ محمدﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''حضرت محمدﷺ کعبہ کے قریب نماز ادا فرما رہے تھے۔ قریشی بھی اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے، اتنے میں ایک قریشی کہنے لگا'' ذرا اس محمدﷺ کی طرف دیکھو! قریشیو! تم میں سے کون ہے جو جائے، کوڑا کرکٹ اور اونٹ کی خون آلود اوجھڑی لائے اور پھر جب محمدﷺ سجدے میں جائیں تو ان کے کاندھوں کے درمیان رکھ دے''۔ ان میں سے جو بدبخت ترین شخص تھا، اس نے یہ رذیل حرکت کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اسی طرح کیا کہ جناب محمدﷺ جب سجدے میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ بھاری گند آپﷺ کے کاندھوں کے درمیان لا رکھا، نبیﷺ (بوجھ کی وجہ سے) سجدے کی حالت میں ہی پڑے رہے۔ یہ دیکھ کر قریشی اس قدر زور زور سے ہنسنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے اوپر گر پڑیں گے۔ اتنے میں کسی نے حضرت فاطمہ جگر گوشہ رسولﷺ کو خبر دی، آپؓ ابھی چھوٹی بچی ہی تھیں، دوڑتی ہوئی تشریف لائیں، اپنے بابا کے کاندھوں سے وہ بھاری بوجھ اٹھایا اور پھر اس مجلس میں بیٹھے قریشیوں کی طرف رخ فرما کے انہیں لعنت ملامت کی۔ (صحیح البخاری، 498)

منیب الازدی فرماتے ہیں: ''میں نے دور جاہلیت میں اللہ کے نبیﷺ کو دیکھا، آپﷺ لوگوں سے کہہ رہے تھے: 'اگر تم کامیابی چاہتے ہو تو اس بات کی گواہی دو کہ ایک اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں'۔ اس دن لوگوں نے آپﷺ کے مبارک چہرے پہ مٹی بھی پھینکی، کچھ نے آپﷺ کے چہرے پہ تھوکا (نعوذ باللہ) اور کچھ نے دیگر بدتمیزی کی۔ یہاں تک کہ سورج نصف النہار تک آن پہنچا۔ پھر ایک چھوٹی بچی پانی کا ایک برتن لے کر آئی، آپﷺ کا چہرہ اور ہاتھ دھوئے، تب محمدﷺ نے فرمایا: ''اے بیٹی مت گھبرا کہ تیرا باپ رسوا ہو گا یا بھوک کے ہاتھوں مارا جائے گا۔'' (معجم الکبیر، 805)

عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے دریافت کیا کہ کفار مکہ نے نبیﷺ کے ساتھ سب سے برا سلوک کیا روا رکھا تھا؟ یہ سن کر عبداللہ بولے: ''نبیﷺ کعبۃ اللہ کے نزدیک نماز ادا فرما رہے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط وہاں آیا اور آپﷺ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اسے بل دینا شروع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر جلدی سے پہنچے اور عقبہ کو پکڑ کر پرے دھکیلا اور فرمانے لگے'' تم ایک آدمی کو محض اس وجہ سے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اس کا رب ایک اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں پہنچ چکی ہیں۔ (بخاری، 3463)

لیکن یہ اور اس سے بھی بدتر سلوک اور ماحول کے باوجود نبیﷺ دعوت دین کے فریضہ کی ادائیگی سے ہرگز نہ رکے۔ حج کے موقع پہ مکہ میں آنے والے کتنے ہی قبائل کو آپﷺ نے اسلام کی دعوت دی۔ تب یثرب اور آج مدینہ کے نام سے جانے والی بستی سے کچھ لوگ بھی ایسے ہی حج کے سلسلہ میں وہاں آئے اور آپکی دعوت پہ ایمان لے آئے۔ انہوں نے نبیﷺ سے درخواست کی کہ وہ انکے ساتھ مدینہ چلے چلیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ کے نبیﷺ ان کے ساتھ چلیں تو وہ ہر طرح سے انکی مدد و تحفظ کریں گے۔ نبیﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ

کو انکے ہمراہ روانہ کیا، جنہوں نے اہل مدینہ کو اسلام کی تعلیمات سکھائیں۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا کہ اہل مکہ کی سختیوں سے پریشان مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے اجازت مرحمت فرما دی کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ اہل مدینہ نے ان بے سروسامان مسلمانوں کا استقبال کیا اور انتہائی گرمجوشی سے انہیں خیر مقدم کہا۔ یوں مدینہ منورہ وہ شہر بن گیا جو اسلامی ریاست کا دارالخلافہ بھی تھا اور دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کا مرکز بھی۔ نبی ﷺ نے مدینہ کو مسکن بنایا اور پھر لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے روشناس کروایا۔ نبی ﷺ کی شفقت و محبت اور اخلاق عالیہ نے اہل مدینہ کے دل موہ لئے۔ مدینہ کے باسیوں کی نبی ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ انہیں اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر عزیز رکھتے تھے، انکی خدمت کیلیئے ہر دم تیار رہتے تھے اور انکے ایک اشارے پہ اپنا تن من دھن لٹانے کا عزم رکھتے تھے۔ مدینہ طیبہ کا یہ معاشرہ آپس میں مربوط و منضبط تھا اور ایمان لوگوں کے دل میں یوں گڑ گیا تھا کہ ہر سو فرحت و شادمانی کے ڈیرے تھے۔ لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور باہمی بھائی چارہ قائم تھا۔ اللہ کے دین کی برکت سے تمام لوگ خواہ غریب ہوں یا امیر، سیاہ ہوں یا سفید، عربی ہوں یا عجمی، سب آپس میں برابر تھے۔ ہاں اگر ان میں بڑائی کا کوئی معیار تھا تو وہ تقویٰ تھا۔ جو کوئی اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوتا وہ اتنا ہی معاشرے میں معزز ہوتا۔

جب اہل مکہ کو خبر ہوئی کہ مدینہ میں اسلام جڑ پکڑ چکا اور دعوت اسلامی انتہائی تیزی سے پھیل رہی ہے تو وہ لڑنے بھڑنے پہ اتر آئے اور یوں حق اور باطل کا پہلا معرکہ کارزار میدان بدر میں سجا۔ مسلمانوں تعداد میں صرف 314 تھے، صرف نو تلواریں تھیں، چند نیزے اور ناکافی سواریاں تھیں۔ دوسری طرف کفار مکہ کے لشکر میں ایک ہزار مردان جنگی کیل کانٹے سے لیس تھے۔ لیکن اللہ جل جلالہ نے محمد ﷺ اور انکے کمزور ساتھیوں کو ان طاقتور کافروں پہ فتح عطا فرمائی۔ اس لڑائی کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں کتنی باہمی لڑائیاں ہوئیں۔ اور بالآخر ہجرت مدینہ کے آٹھ ہی برس بعد محمد ﷺ دس ہزار صحابہ کرامؓ کا مضبوط لشکر لے کر نکلے اور اس مکہ کو فتح کر لیا جس سے زبردستی اور تنہا نکالے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اللہ کی مدد سے مسخر کیا جنہوں نے ہم قبیلہ ہونے کے باوجود مظالم کی انتہا کر دی تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کو دہکتے کوئلوں پہ لٹایا کرتے تھے، کوڑوں سے مارتے تھے، گرم ریت پہ گھسیٹتے تھے، الغرض جو کچھ وہ کر سکتے تھے انہوں نے کیا۔ انہی اہل مکہ نے مسلمانوں کے گھربار چھین لئے تھے، مال و جائیداد ضبط کر لئے تھے، حتّٰی کہ مسلمانوں کو اپنی جانیں بچا کر مدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑی تھی۔ آج وہی اہل مکہ مفتوح ہیں اور فتح بھی کیسی کہ چند شہادتوں کے سوا خون نہ بہا۔ یہ سال 'عام الفتح' کہلایا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''جب اللہ کی مدد اور فتح آئی، اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے پس تعریف کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح بیان کر اور اس سے مغفرت طلب کر، بیشک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ (سورۃ النصر، 3-1)

اس عظیم الشان اور کامل فتح کے بعد حضرت محمد ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے سوال کیا: ''تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟'' اہل مکہ نے جواب دیا: ''آپ ﷺ کریم اور فیاض بھائی ہیں، کریم اور فیاض بھتیجے ہیں، آپ ﷺ ہمارے ساتھ کوئی اچھا سلوک ہی فرمائیں گے'' قارئین! یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی زندگیوں کا ایک

بڑا حصہ اجیرن بنائے رکھا تھا۔ ان کا یہ جواب سماعت فرما کر نبی ﷺ رحمت نے فرمایا: ''جاؤ، تم آزاد ہو، جو چاہو کرو'' (البیہقی، 18055)

اتنا کریمانہ سلوک! درحقیقت یہی وجہ تھی کہ کل تک جو جانی دشمن تھے، آج ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا، ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ ہو لئے، مکہ پہنچے اور حج کا فریضہ سرانجام دیا۔ اسے حجۃ الوداع یا آخری حج بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ ﷺ وفات پا گئے۔

ہجرت مدینہ کے گیارھویں برس بارہ ربیع الاول کے روز اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ کو مدینہ ہی میں دفن کیا گیا۔ نبی ﷺ کی وفات کا سن کر مسلمان سکتے میں آ گئے۔ کچھ صحابہ کرام ؓ کو تو اس کا یقین ہی نہ آتا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ بھی اس دنیا کو چھوڑ جائیں گے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ جوش میں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ''جو یہ کہے گا کہ اللہ کے نبی ﷺ فوت ہو گئے ہیں، میں اس کا سر قلم کر دوں گا''۔

ان حالات میں خلیفہ اول سیدنا ابو بکرؓ تشریف لائے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں قرآن مجید کا یہ حصہ بھی تلاوت فرمایا: ''محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا (سورۃ آل عمران، 144)۔ قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیت مبارکہ سماعت فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے کیونکہ احکام الٰہی کی کامل اور فوراً پیروی کے عمرؓ انتہائی شائق تھے۔ وفات کے وقت نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

نبوت ملنے سے پہلے آپ ﷺ چالیس برس تک مکہ معظّمہ میں رہے، نبوت ملنے کے بعد مزید تیرہ برس آپ ﷺ نے مکہ میں گزارے، اس دوران آپ ﷺ لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے۔ پھر آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے دس برس گزارے۔ وہاں آپ ﷺ پہ مسلسل وحی اتری، حتّٰی کی قرآن مجید اور دین اسلام دونوں مکمل ہو گئے۔

مشہور برطانوی مفکر جارج برنارڈ شا کا کہنا ہے:

''میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کے دین کو اس کی حیران کن قوت حیات کی وجہ سے بلند پایہ پایا ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جو کائنات کے بدلتے ہوئے مراحل میں ہمیشہ ہر کہیں کے مسائل کا حل پیش کرنے کی نایاب صلاحیت رکھتا ہے۔ جبھی تو یہ دین ہر دور کے انسان کو متاثر کرتا ہے۔ میں یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کا دین جس رفتار سے آج کل یورپین لوگوں کو متاثر کر رہا ہے، اس سے بھی زیادہ رفتار سے یہ یورپ میں سرایت کرے گا۔ قرون وسطیٰ کے پادریوں نے اسلام کی جو غلط تصویر کشی کی ہے، وہ یا تو جہالت کی بنا پہ تھی یا پھر نرے تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پہ۔ درحقیقت ان بیچارے پادریوں کو محمد ﷺ اور انکے دین سے نفرت کرنا ہی سکھایا گیا تھا، انکے خیال میں حضرت محمد ﷺ عیسیٰؑ کے مخالف تھے۔ میں نے جہاں تک محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ محمد ﷺ ایک شاندار آدمی تھے، عیسیٰؑ کی

مخالفت والی بات میرے خیال میں نری بودی بات ہے، محمد ﷺ کو تو بجا طور پہ انسانیت کا 'نجات دہندہ' کہا جا سکتا ہے“ Encyclopedia for Seerah, Afzal ur rehman

محمد ﷺ کے احوال و اخلاق

ہندؓ بنت ابی ہالہ التمیمی نبی ﷺ کا حلیہ مبارک کچھ یوں بیان فرماتی ہیں۔”اللہ کے نبی ﷺ بڑے وجیہہ آدمی تھے، جو بھی آپ ﷺ کو دیکھ لیتا وہ آپ ﷺ کی تکریم ہی کرتا۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک پورے چاند کی طرح منور ہوتا تھا۔ آپ ﷺ میانہ قد تھے، نہ زیادہ لمبے نہ زیادہ چھوٹے۔ آپ ﷺ کا سر بڑا اور بال گھنگریالے تھے۔ عموماً آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو تک رہتے، البتہ بعض اوقات جب وہ لمبے ہو جاتے تو آپ ﷺ مانگ نکال لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا رنگ سفید، ماتھا کشادہ بھنویں گھنی اور جدا جدا تھیں۔ آپ ﷺ کی ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی، غصہ میں ہوتے تو وہ ابھر آتی۔ آپ ﷺ کا ناک سیدھا اور عجب چمک دار تھا۔ ناک کی ہڈی درمیان سے تھوڑی اونچی تھی۔ آپ ﷺ کے رخسار نرم اور داڑھی گھنی تھی۔ چہرہ بھاری جس پہ مختصر مونچھیں تھیں۔ آپ ﷺ کے دندان مبارک کے درمیان خلا تھا۔ گردن کسی گڑیا کی طرح خوبصورت تھی۔ رنگ چمکدار سفید تھا۔ آپ ﷺ کا جسم میانہ اور مضبوط گٹھا ہوا، سینہ اور پیٹ برابر، کندھے اور چھاتی چوڑے چکلے تھے۔ جوڑ مضبوط اور جلد سفید تھی۔ کندھوں اور کلائیوں اور سینہ کے بالائی حصہ پہ بال تھے۔ کلائیاں لمبی اور ہتھیلیاں فراخ تھیں۔ ہاتھ اور پاؤں بہت لمبے نہ تھے، انگلیاں بھی درمیانی لمبائی کی تھیں۔ آپ ﷺ کے قدم نرم اور ہموار تھے، ہمواری کی وجہ سے ان پہ پانی نہ ٹھہرتا تھا۔ آپ ﷺ انتہائی باوقار انداز میں چلتے، قدم پورا اٹھاتے، پاؤں گھسیٹ کر نہ چلتے تھے۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو مکمل متوجہ ہوتے، یعنی پورا جسم اس کی طرف کرتے نہ کہ صرف گردن اور سر۔ آپ ﷺ اکثر اوقات چیزوں کو ایک ہی نظر دیکھتے یعنی عموماً ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھتے تھے۔ دوسروں کے سلام کرنے سے قبل آپ ﷺ سلام کرتے تھے۔“

انہیں ہندؓ سے کسی نے سوال کیا کہ محمد ﷺ بولتے کیسے تھے؟ ہندؓ فرماتی ہیں ”آپ ﷺ اکثر غمگین رہتے اور کسی گہری سوچ میں کھوئے رہتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی بھی بہت زیادہ آرام نہ کرتے اور بلا ضرورت کبھی نہ بولتے تھے۔ ہمیشہ اپنی بات کے اول و آخر اللہ کا ذکر ضرور کرتے۔ آپ ﷺ بڑی واضح مکمل، بامعنی اور ٹھیک ٹھاک بات کیا کرتے۔ آپ ﷺ کی بات فیصلہ کن ہوتی، کوئی اس کو توڑ مروڑ کے اپنے معنی نہ پہنا سکتا تھا۔ آپ ﷺ بہت شفیق اور دوسروں کا خیال رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ بات چیت میں کبھی کسی کی تذلیل نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ اللہ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا فرماتے تھے، خواہ وہ نعمت کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کی تحقیر نہ کی تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں نقص نہ نکالا نہ تعریف کی۔ دنیاوی معاملات کی وجہ سے آپ ﷺ کبھی پریشان نہ ہوتے تھے۔ اگر کسی پہ ظلم روا ہوتا دیکھتے تو شدید غصہ میں آجاتے۔ پھر آپ ﷺ کا غصہ اس وقت تک نہ اترتا جب تک مظلوم کی دادرسی نہ ہو جاتی۔ اپنی ذات کی خاطر آپ ﷺ نہ غصہ ہوتے نہ ہی کسی سے بدلہ لیتے تھے۔ جب آپ ﷺ کسی کی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ جب آپ ﷺ کسی بات پہ حیرانی کا

اظہار فرماتے تو ہتھیلی کو الٹا فرماتے، جب آپ ﷺ بات کرتے تو بائیں انگوٹھے سے دائیں ہتھیلی کو تھپتھپاتے۔ جب آپ ﷺ کسی پہ غصہ ہوتے تو اپنا چہرہ مبارک اس سے پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو اپنی نظریں جھکا لیتے۔ آپ ﷺ کی ہنسی اکثر ہلکے تبسم تک ہی ہوتی۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تو دندان مبارک موتیوں کی طرح چمکتے۔''

سیدنا حسن ابن علیؓ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ کے حلیہ اور احوال کے متعلق کچھ دیر میں نے حسینؓ کو نہیں بتایا تھا، مگر وہ میرے بتانے سے پہلے والد گرامی سیدنا علیؓ ابن ابیطالب سے یہ سب کچھ پوچھ چکے تھے: فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سیدنا علیؓ سے سوال کیا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں داخل کیسے ہوتے تھے، رخصت کیسے ہوتے تھے اور اسی طرح دوسرے معاملات کے متعلق دریافت کیا۔ حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ نبی ﷺ اپنے اوقات کی تقسیم کیسے کرتے تھے اور گھر میں وقت کیسے گزارتے تھے۔ ان سوالوں کے جواب میں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ اپنے اوقات تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ کیلئے دوسرا اپنے اہل خانہ کیلئے اور تیسرا اپنے اور لوگوں کیلئے استعمال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ہدایت کا کوئی گوشہ اور اسلام کی کوئی نصیحت لوگوں سے چھپائی نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اوقات کا جو حصہ لوگوں کے لئے مقرر کر رکھا تھا، اسے آپ ﷺ لوگوں کی ضروریات کے مطابق استعمال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ لوگوں اور آئندہ امت کو پیش آنے والے مسائل کے متعلق تعلیمات فرماتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے ''جو (میری مجلس میں) حاضر ہو، (میرا پیغام) ان لوگوں تک پہنچا دو جو غیر حاضر ہیں۔ اور جو لوگ میری مجلس میں نہیں پہنچ پاتے، انکی ضروریات کے متعلق مجھے آگاہ کیا کرو کیونکہ جو کوئی حکمران کو کسی شخص کی حالت کے متعلق آگاہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پل صراط پہ مضبوط رکھے گا (آسانی سے گزار دے گا)۔ سیدنا حسینؓ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے سوال کیا کہ اللہ کے نبی محمد ﷺ مکرتے تھے؟ جواباً علیؓ نے فرمایا ''آپ ﷺ بیکار گفتگو سے پرہیز فرماتے، مخلصانہ مشورہ دیتے اور ایسی گفتگو فرمایا کرتے کہ جس سے لوگ متحد ہوں نہ کہ منتشر۔ آپ ﷺ ہر قبیلے یا علاقے کے لوگوں میں سے کریم، نرم خو اور نجیب لوگوں کو پسند فرماتے تھے اور انہیں ہی عوامی معاملات میں ذمہ دار مقرر کرتے تھے۔ آپ ﷺ خود برائیوں سے بچتے اور لوگوں کو ان سے بچنے کا حکم فرماتے، تاہم کسی شخص کو دیکھ کر آپ ﷺ کبھی تیوری نہ چڑھاتے تھے۔ آپ ﷺ لوگوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے اور پھر انہیں بھلائی کا حکم فرماتے اور برائی سے منع فرماتے۔ آپ ﷺ تمام معاملات میں میانہ رو تھے۔ اپنے ساتھیوں کی تربیت اور مشاورت کا کوئی موقع آپ ﷺ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ آپ ﷺ ہر وقت ہر طرح کی صورتحال کا سامنا کرنے کو مستعد رہتے، لاپروائی آپ ﷺ کو چھو کر نہ گزری تھی۔ آپ ﷺ کے قریب بیٹھنے والے لوگ یعنی صحابہ کرامؓ تمام لوگوں میں سے افضل ترین لوگ تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے بہترین وہ ہوتا جو بہترین نصیحت اور مشورہ دیتا۔ اصحاب محمد ﷺ میں سے افضل ترین وہ تھے، جنہوں نے احسن ترین انداز میں انکی نصرت و برداشت کی تھی''۔

سیدنا حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے مزید پوچھا کہ نبی ﷺ کی مجلس کیسی ہوتی تھی؟ جواباً علیؓ نے فرمایا ''نبی ﷺ اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے تھے، آپ ﷺ اس بات سے منع فرماتے تھے کہ کوئی شخص کسی مجلس میں اپنے لئے کوئی جگہ مخصوص کر لے کہ وہ

اس کی ملکیت سمجھی جائے۔آپ ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ ملتی، وہیں بیٹھ جاتے، اور جب کوئی شخص مجلس میں شامل ہوتا تو اسے بھی ایسا ہی کرنے کو کہتے۔(یعنی خود کو دوسروں سے ممتاز نہ فرماتے اور نہ ایسا کرنے کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے)۔اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں کو برابر توجہ دیتے، جو بھی آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، یہی سمجھتا کہ اس مجلس میں نبی ﷺ کی طرف سے سب سے زیادہ شفقت و توجہ اسی کے حصہ میں آئی ہے۔اگر کوئی شخص نبی ﷺ کے پاس کسی ضرورت کیلئے حاضر ہوتا تو آپ ﷺ اسے بھگا نہ دیتے، بلکہ اسے بات پوری کرنے دیتے حتّٰی کہ وہ خود ہی خاموش نہ ہوتا۔آپ ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی خالی ہاتھ آتا اور کچھ طلب کرتا تو آپ ﷺ اسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، اگر اسے دینے کو کچھ بھی نہ ہوتا تو دو میٹھے اور نرم بول ضرور اسے کہتے۔آپ ﷺ کھلے دل و دماغ کے آدمی تھے۔آپ ﷺ ہر ایک کے لئے ایک شفیق اور متفکر باپ کی طرح تھے، آپ ﷺ کی نگاہ میں سب برابر تھے۔آپ ﷺ کی مجلس علم و عرفان، صبر و تحمل، پاکیزگی، اعتماد اور استقامت انگیزی سے بھرپور مجلس ہوتی تھی۔آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی شخص اپنی آواز آپ ﷺ سے بلند نہ کرتا۔آپ ﷺ کی مجلس میں کوئی شخص کسی حاضر سے بدکلامی کرتا اور کسی غائب کی غیبت کرتا نہ چغلی کھاتا۔آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے لوگ ایک دوسرے کی تکریم کرتے، باہم عاجزی سے پیش آتے، بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پہ شفقت کرتے اور اجنبیوں کی توقیر کرتے تھے۔"

سیدنا حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ نبی ﷺ خود اپنی مجالس میں دوسرے لوگوں سے کیسا برتاؤ کرتے تھے۔علیؓ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ خندہ رو تھے، ہر ایک پہ مہربان اور نہایت متوجہ، کبھی کسی سے کھردرا لہجہ استعمال نہ کیا۔آپ ﷺ اول فول بولتے اور نہ ہی کبھی گلا پھاڑ کر گفتگو فرمائی۔کسی دوسرے کے بارے میں بدکلامی یا گپ بازی آپ ﷺ کا شعار نہ تھا۔آپ ﷺ کسی کی خوشامد نہ فرماتے تھے۔آپ ﷺ نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا۔آپ ﷺ فضول بحث، کثرت کلام اور غیر متعلق چیز کے متعلق بولنے سے پرہیز فرماتے تھے۔آپ ﷺ نے کبھی کسی کو برا بھلا کہا، نہ مذاق اڑایا اور نہ ہی کبھی ایک شخص کی خطاؤں کا ذکر دوسرے لوگوں کے سامنے کیا۔دوسروں پہ تنقید بھی آپ ﷺ نہ فرماتے تھے۔آپ ﷺ کا کلام مبارک ان باتوں تک محدود رہتا، جن کے متعلق انہیں امید ہوتی کہ ان سے اجر ملے گا۔آپ ﷺ جب بات کرتے، آپ ﷺ کے ساتھی (احترام و توجہ) سے یوں زمین میں نظریں گاڑ لیتے، گویا پرندے انکے سروں پہ بیٹھے ہوں۔آپ ﷺ کے صحابہؓ اسی وقت ہی بولتے، جب نبی ﷺ بات کر چکتے۔صحابہؓ آپ ﷺ کے سامنے اختلاف نہ کرتے تھے۔آپ ﷺ کے صحابہؓ میں سے اگر ایک شخص بات شروع کرتا تو دوسرے اس وقت تک خاموش رہتے اور پوری توجہ سے اس کی بات سنتے جب تک وہ اپنی بات مکمل نہ کر لیتا۔کبار صحابہؓ ہی نبی ﷺ کی مجلس میں گفتگو کرتے تھے۔جب کبھی کوئی نامانوس زبان و تلفظ کا حامل شخص نبی ﷺ کی ملاقات کو حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کمال صبر سے اس کی بات سنتے اور سمجھتے۔جب تک بات کرنے والا اپنی بات مکمل نہ کر لیتا، آپ ﷺ اس سے کچھ نہ پوچھتے۔جو لوگ آپ ﷺ کے پاس مدد کے حصول کے لئے آتے، نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کو انکی مدد کی ہدایات فرماتے۔آپ ﷺ نے کبھی کسی کو بات کرتے ہوئے نہیں روکا، جب تک کہ اس نے اپنی بات مکمل نہ کر لی ہو، خود خاموش نہ ہو گیا ہو یا اٹھ کر نہ چلا گیا ہو۔" (البیہقی)۔

نبی ﷺ کے آداب وخصائل

شعور کامل:

نبی ﷺ پختہ فہم، کامل اور قابل اعتماد شعور وادراک کے آدمی تھے۔آج تک آپ ﷺ جیسا سلیم الطبع شخص پیدا ہوا، نہ ہوگا۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: ''جب کوئی محقق نبی آخرالزماں جناب محمد ﷺ کی سوانح کا مطالعہ کرتا ہے، آپ ﷺ کے معاملات کا جائزہ لیتا ہے، آپ ﷺ کی بامعنی اور لوگوں کو ملا دینے والی باتیں سنتا پڑھتا ہے، انکے اچھے اخلاق اور اعلیٰ کردار کا مشاہدہ کرتا ہے، تورات وانجیل اور دیگر آسمانی صحائف کے متعلق آپ ﷺ کے علم کو دیکھتا ہے، سابقہ قوموں اور داناؤں کے اقوال پہ آپ ﷺ کی گرفت کا جائزہ لیتا ہے اور غور کرتا ہے کہ کیسے صحیح موقع پہ آپ ﷺ مناسب ترین مثال پیش کرتے، کیسے اپنی پالیسیوں کا نفاذ فرماتے اور کیسے جذباتی معاملات سدھارتے تھے، تو پھر آپ ﷺ کے کامل الطبع اور انتہائی اعلیٰ شعور کے حامل ہونے میں کوئی شک اسے نہیں رہ جاتا۔آپ ﷺ اپنے تمام ساتھیوں کے لئے زندگی کے تمام شعبہ جات میں اسوہ اور آئیڈیل تھے۔عبادات، علم الادویہ، وراثت کے مسائل، علم الانساب اور دیگر علوم یعنی ہر شعبہ میں نبی ﷺ ہی انکے مقتدا ورہنما تھے۔ان تمام علوم میں آپ ﷺ کی مہارت کی اصل خوبی یہ ہے کہ نہ تو آپ ﷺ نے سابقہ کتب وصحائف کا مطالعہ ومشاہدہ کیا اور نہ ہی آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا ان علوم کے اہل لوگوں میں سے کسی سے رہا تھا۔آپ ﷺ کسی مدرسہ میں نہیں گئے۔ نبی بننے سے قبل آپ ﷺ کو ان تمام علوم کا کچھ علم نہ تھا، بلکہ آپ ﷺ تو لکھ یا پڑھ بھی نہ سکتے تھے۔انسانی دماغ جتنا زیادہ سے زیادہ ذہین واخاذ ہوسکتا ہے، وہ انتہا نبی ﷺ کے دماغ کی شکل میں ہمیں ملتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ سابقہ اور کچھ آنے والے حالات کے متعلق خبر دی تھی۔ایک اُمی کے اس طرح یکا یک اعلیٰ ترین عالم بن جانے سے یہ پتا چلتا ہے کہ تمام کی تمام قدرت اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے'' (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ،مصنفہ قاضی عیاضؒ)

تمام امور میں اللہ کی رضا جوئی کا خیال:

اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ ہمیشہ ان افعال واعمال میں مشغول رہتے، جن سے اللہ کا قرب ورضا حاصل ہوتی ہے۔جب آپ ﷺ نے دین اسلام کی دعوت دی تو آپ ﷺ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا گیا اور نقصان پہنچانے کی بھی مقدور بھر کوشش کی گئی، لیکن آپ ﷺ نے اس سارے عرصہ میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور اللہ سے اجر کی امید رکھی۔عبداللہؓ ابن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک سابقہ نبیؑ کا ذکر کیا کہ ان کی قوم نے انہیں زخمی کر دیا، اللہ کے اس نبیؑ نے اپنے چہرے سے خون صاف کیا اور پھر کہا: ''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے،

کیونکہ یہ جانتے نہیں (کہ میں پیغمبر ہوں)'' (بخاری، 3290)۔

جندبؓ ابن سفیان بیان فرماتے ہیں کہ ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی انگلی خون آلود ہوگئی، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم تو ایک انگلی ہو، جس سے اللہ کی خاطر خون بہا ہے'' (بخاری، 2648)۔

اخلاص:

نبی ﷺ اپنے تمام کے تمام معاملات میں مخلص اور امین تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے حکم صادر فرمایا تھا:

''کہہ دیجئے! بیشک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ جہانوں کے پروردگار کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اسی بات کا میں حکم دیا گیا ہوں اور (تم میں سے) میں پہلا مسلمان ہوں'' (6:162-163)۔

اخلاق حسنہ اور مصاحبت:

راوی بیان کرتا ہے: ''میں نے عائشہؓ سے سوال کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ جواباً سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: 'آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا''۔ یعنی کہ آپ ﷺ تمام معاملات میں قرآن مجید کے اوامر وضوابط کی پیروی کرتے اور ان تمام کاموں سے دور رہتے جن سے قرآن منع کرتا ہے۔ قرآن میں مذکور صالح اعمال کی پابندی کرتے، جیسا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اعمال صالحہ کرنے اور مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا ہے۔'' (بخاری واحمد)۔

نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ و حسنہ کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ''بیشک آپ بلند اخلاق کے حامل ہیں'' (68:4)۔

سیدنا انس بن مالکؓ جنہیں کامل دس برس تک شب و روز، سفر وحضر میں نبی ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل رہا، انتہائی اچھی طرح سے نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ سے واقف تھے۔ یہی انسؓ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ کبھی کسی سے بدکلامی نہ کرتے تھے، نہ تلخ کلامی فرماتے اور نہ ہی کسی پہ لعنت بھیجتے تھے۔ اگر کسی کو ملامت کرنا ہوتی تو یوں فرماتے: اسے کیا مسئلہ ہے، اس کی ناک خاک آلود ہو'' (بخاری، 5684)۔

نرمی و آدابِ مجلس:

سیدنا سہلؓ ابن سعد بیان فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ کے پاس پینے کو ایک مشروب لایا گیا، آپ ﷺ نے اس میں سے پیا، آپ ﷺ کی داہنی سمت ایک چھوٹا بچہ بیٹھا تھا اور بائیں سمت عمر رسیدہ افراد بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے اس بچے سے پوچھا: اگر تم اجازت دو تو میں ان بزرگوں

کو مشروب دوں (یعنی پہلے)۔اس بچے نے کہا: ''اللہ کے نبی ﷺ! میں کسی کو اس معاملہ میں خود پہ ترجیح دینے کو تیار نہیں کہ وہ اس برتن میں سے اس جگہ سے پیے، جہاں سے آپ ﷺ نے مشروب نوش فرمایا ہے۔ یہ میرا حق ہے (دائیں سمت بیٹھے ہونے کی وجہ سے)۔ نبی ﷺ نے مشروب اس چھوٹے بچے کو دے دیا۔(بخاری، 2319)۔

صلح واصلاح کی چاہت:

سیدنا سہل ابن سعدؓ فرماتے ہیں کہ 'قبا' کے لوگ آپس میں باہم لڑ پڑے اور ایک دوسرے پہ پتھر پھینکے۔ نبی ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمانے لگے: ''آؤ مسئلے کو حل کرنے اور ان کے مابین صلح کروانے کیلئے چلیں'' (بخاری، 2547)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ نے ایک آدمی کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا، آپ ﷺ اس کے پاس گئے، اس انگوٹھی کو اتارا اور پھینک دیا۔ پھر فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے، جو دہکتا ہوا کوئلہ لے اور پھر اسے ہاتھ پہ رکھ لے؟''۔ جب نبی ﷺ اس جگہ سے تشریف لے گئے تو اس آدمی سے کہا گیا کہ انگوٹھی اٹھا لو اور کسی بہتر مصرف میں استعمال کر لو (یعنی فروخت کر کے)۔اس آدمی نے کہا: ''اللہ کی قسم! جب اللہ کے نبی ﷺ نے اسے پھینک دیا تو میں اسے ہرگز واپس نہیں اٹھاؤں گا'' (مسلم، 2090)۔

طہارت و پاکیزگی سے محبت:

مہاجرؓ بن قنفذ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے نبی ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، لیکن آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا، میرے سلام کا جواب دیا اور یوں معذرت فرمائی: ''مجھے اچھا نہ لگا کہ میں عدم طہارت کی حالت میں اللہ کا نام لوں'' (ابن خزیمہ، 206)

زبان کی حفاظت:

عبداللہؓ ابن اوفٰی فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنی زبان کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھتے اور فضول گوئی بالکل نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی نمازیں لمبی اور باتیں مختصر ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ کسی ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنے اور کسی غریب یا بیوہ کی مدد سے ہرگز نہ چوکتے

تھے۔(ابن حبان،6423)۔

کثرت عبادت:

ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ رات کو نماز میں اتنا قیام کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں سوج جاتے۔سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سوال کیا:''اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام آئندہ وگزشتہ گناہ معاف فرما دئے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے جواب دیا:'کیا میں (اس نعمت پہ) شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''(بخاری،4557)۔

صبر و تحمل:

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمرو الدوسی اور اسکے ساتھی نبی ﷺ کی ملاقات کو حاضر ہوئے اور کہنے لگے:''اللہ کے نبی ﷺ! قبیلہ دوس نے اسلام قبول کرنے انکار کر دیا ہے، آپ ﷺ انکے حق میں بد دعا فرمائیں۔کیونکہ قبیلہ دوس بد بخت ثابت ہوا اور تباہ ہو گیا۔اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور یوں اللہ سے دعا گو ہوئے:''اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت و رشد سے نواز''۔

صوری حسن:

سیدنا براءؓ بن عازب فرماتے ہیں:''اللہ کے نبی ﷺ میانہ قد تھے۔آپ ﷺ کے کندھے چوڑے چکلے تھے۔بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ایک دفعہ میں نے آپ ﷺ کو سرخ لباس میں ملبوس دیکھا، میں نے کبھی اس سے زیادہ خوبصورت منظر نہیں دیکھا''(بخاری،2358)۔

دنیا سے بے رغبتی:

سیدنا عبد اللہؓ ابن مسعود فرماتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ ایک چٹائی پہ لیٹے، جب آپ ﷺ سو کر اٹھے تو جسم اطہر کے پہلو مبارک پہ چٹائی کے نشان تھے۔ہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم آپ ﷺ کے لئے بستر کا بندوبست نہ کریں؟۔جناب پیغمبر ﷺ نے فرمایا:'مجھے اس دنیا سے کیا لینا دینا؟ میں تو اس مسافر کی طرح ہوں جو ایک سواری پہ سوار ہو، رستے میں وہ کسی درخت کے نیچے سائے اور آرام کی خاطر (کچھ لمحات) ٹھہرتا ہے اور پھر اس (عارضی ٹھکانے) کو چھوڑ کر اپنا سفر جاری رکھتا ہے''(ترمذی،2377)۔

یعنی دنیا انکی منزل نہ تھی، یہ تو اس درخت کی طرح رستے میں کچھ پل ٹھہرنے کی ایک جگہ ہے۔اصل منزل تو آخرت ہے، جہاں کی

تیاری کیلئے دنیا کی زندگی ہمیں عطا کی گئی ہے۔ جہاں نیکو کاروں کے لئے باغات بہشت اور بدکاروں کے لئے آگ کا عذاب تیار ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے خاص فضل سے اہل جنت میں سے کردے۔آمین۔

عمرو ابن الحارثؓ فرماتے ہیں کہ نبیﷺ نے اپنی وفات کے بعد اپنے ترکہ میں کوئی درہم و دینار (روپیہ پیسہ) یا غلام ولونڈی نہ چھوڑی۔آپﷺ نے اپنے ترکہ میں صرف ایک سفید خچر،ہتھیار اور زمین کا ایک ٹکڑا چھوڑا تھا، جسے آپﷺ نے صدقہ فرما دیا تھا(بخاری،2588)۔

ایثار:

سیدنا سہلؓ ابن سعد بیان فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے نبیﷺ کی خدمت میں ایک 'بردہ' (ایک طرح کی چادر) پیش کی۔ نبیﷺ نے اپنے اصحابؓ سے سوال کیا کہ کیا انہیں بردہ کے متعلق علم ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ یہ ایک طرح کی چادر ہوتی ہے۔اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے نبیﷺ! یہ 'بردہ' میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تاکہ آپﷺ اسے پہنیں۔ نبیﷺ نے اسے قبول فرمایا اور آپﷺ کو اس کی اشد ضرورت بھی تھی۔تھوڑی ہی دیر میں نبیﷺ اپنے گھر سے اس عالم میں نکلے کہ آپﷺ نے وہی 'بردہ' زیب تن کر رکھا تھا۔اتنے میں ایک صحابیؓ نے نبیﷺ سے کہا:'اللہ کے نبیﷺ! یہ چادر پہننے کو مجھے عنائت فرما دیں'۔ نبیﷺ نے فرمایا،اچھا! پھر آپﷺ کچھ دیر وہاں تشریف فرما رہے، پھر اٹھے اور گھر تشریف لے گئے،اس چادر کو لپیٹا اور واپس آکر وہ چادر اس صحابیؓ کو دے دی۔دوسرے صحابہ کرامؓ نے اس صحابیؓ کو ڈانٹا کہ تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا،اور پھر تمہیں علم بھی ہے کہ آپﷺ کسی سوالی کو خالی ہاتھ واپس نہیں موڑتے اور نہ ہی کسی کو انکار فرماتے ہیں۔اس صحابیؓ نے فرمایا:'اللہ کی قسم! میں نے یہ چادر محض اس نیت سے حاصل کی ہے کہ جب میں مر جاؤں تو اس میں کفن دیا جاؤں۔سہل ابن ساعدؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں،فرماتے ہیں کہ جب وہ صحابیؓ فوت ہوا تو وہ چادر اس کے کفن کے طور پہ استعمال کی گئی۔(بخاری،1987)۔

ایمان کی مضبوطی اور توکل علی اللہ:

سیدنا ابوبکرؓ فرماتے ہیں:''غار (ثور) میں جب میں نے مشرکین کے قدم سامنے دیکھے تو میں نے اللہ کے نبیﷺ سے کہا:'اگر ان مشرکین میں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھ لے تو ہمیں دیکھ لے گا' اللہ کے پیغمبرﷺ نے جواب دیا:'اے ابوبکرؓ! تمہارا ان دو بندوں کے بارے میں کیا گمان ہے کہ جن کے ساتھ تیسرا خود اللہ ہے''(مسلم،1854)۔

شفقت ورافت:

سیدنا ابوقتادہؓ فرماتے ہیں: نبیﷺ نے ابوالعاص کی ایک چھوٹی بچی امامہ کو اٹھا کر نماز ادا کی۔ جب آپﷺ رکوع میں جاتے تو اسے

زمین پہ بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے۔(بخاری،5650)۔

سادگی و آسانی:

سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں جب نماز شروع کرتا ہوں تو اسے لمبی کرنے کا سوچتا ہوں، لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ مجھے علم ہے کہ بچے کی ماں اپنے بچے کے رونے کی وجہ سے پریشان ہو گی۔(بخاری،677) (اختتام صفحہ 40)۔

خشیت الٰہی، حدود اللہ کا انتہائی خیال:

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے پیغمبر ﷺ فرماتے تھے: ''بعض اوقات جب میں اپنے گھر لوٹتا ہوں، تو بستر پہ ایک کھجور پڑی دیکھتا ہوں، میں اسے کھانے کیلئے اٹھا لیتا ہوں۔ پھر میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ کھجور صدقہ کی نہ ہو، اور پھر اسے واپس پھینک دیتا ہوں۔(بخاری،2300)۔

فیاضی:

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ''جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا اور رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز طلب کرتا، تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو اس نے طلب کیا ہو، اسے نہ ملا ہو۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والا بھیڑوں کا ایک ریوڑ عطا فرمایا۔ وہ شخص واپس اپنے قبیلے والوں کے پاس لوٹا اور انہیں کہنے لگا، اے اہل قبیلہ! اسلام قبول کر لو، محمد ﷺ اتنی فیاضی سے عطا فرماتے ہیں جیسے انہیں غربت کا کوئی خوف نہ ہو۔(مسلم،2312)۔

تعاون:

ایک دفعہ سیدہ عائشہؓ سے سوال کیا گیا کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے اہل خانہ سے کیسا سلوک فرمایا کرتے تھے؟ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: ''آپ ﷺ اپنے گھریلو امور میں اپنے اہل خانہ کی مدد فرمایا کرتے تھے، لیکن جب نماز کیلئے اذان ہوتی تو آپ ﷺ نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔ سیدنا براءؓ بن عازب فرماتے ہیں: 'میں نے خندق (ایک جنگ جس میں مدینہ کے ایک سمت مسلمانوں نے طویل و عریض خندق کھودی تھی) کے دن دیکھا کہ اللہ کے نبی ﷺ خندق سے نکلنے والی مٹی اٹھا کر منتقل فرما رہے تھے، حتّٰی کہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک پہ بھی مٹی لگی ہوئی تھی۔ میں نے سنا کہ آپ ﷺ عبداللہؓ بن رواحہ کے اشعار میں سے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

اللھم لولا انت مااھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینة علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاولی رغبو علینا وان ارادو فتنة ابینا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ پس ہم پر سکینت نازل فرما۔ اور اگر ٹکراؤ ہو جائے تو ہمارے ثابت قدم رکھ۔ انہوں نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ اگر انہوں نے کوئی فتنہ چاہا تو ہم ہرگز سر نہیں جھکائیں گے۔
حضرت براء فرماتے ہیں کہ یہ آخری الفاظ آپ ﷺ کھینچ کر کہتے تھے۔

صداقت:

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے تھی۔ ایک آدمی اگر نبی ﷺ کی مجلس میں جھوٹ بولتا تو آپ ﷺ اس سے اس وقت تک نہ بولتے، جب تک آپ ﷺ کو یہ پتہ نہ چلتا کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔ (ترمذی، 1973)
آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ﷺ کی صداقت کی تصدیق کرتے تھے۔ ابوجہل، دشمنان اسلام میں سے بدترین دشمن نے کہا تھا: 'اے محمد ﷺ! میں یہ نہیں کہتا کہ تم جھوٹے ہو۔ میں تو صرف اس دعوت اور دین کا انکار کرتا ہوں جو تم لائے ہو'
اللہ رب العزت فرماتے ہیں: 'ہمیں علم ہے، کہ جو یہ کہتے ہیں، اس سے تمہیں دکھ پہنچتا ہے۔ لیکن یہ لوگ تمہیں تو جھوٹا ہرگز نہیں کہتے، بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں' (6:33)۔

حدوداللہ کا حد درجہ خیال:

ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: 'جب کبھی نبی ﷺ کو کسی معاملے میں دو صورتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ان میں سے آسان صورت اختیار فرماتے، الا یہ کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر وہ کام گناہ کا ہوتا تو لوگوں میں سے سب سے زیادہ آپ ﷺ اس سے دور رہنے والے ہوتے۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے کبھی ذاتی انتقام نہ لیا، آپ ﷺ اس وقت ناراض ہوتے جب لوگ اللہ کی حدوں کو پامال کرتے، اس صورت میں آپ ﷺ ضرور سزا دیا کرتے۔' (بخاری، 6404)۔

مسکراتا چہرہ:

سیدنا عبداللہ ؓ بن حارث فرماتے ہیں: 'میں نے نبی ﷺ سے بڑھ کر مسکرانے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا' (ترمذی، 2641)۔

ایمانداری و وفاداری:

نبی ﷺ اپنی امانت داری کیلئے مشہور تھے۔ مکہ کے کافر، جو آپ ﷺ کے کھلے دشمن تھے، وہ بھی اپنی قیمتی اشیاء آپ ﷺ کے پاس امانتاً

رکھواتے تھے۔آپ ﷺ کی امانت داری کا امتحان سخت اس وقت ہوا، جبکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ پہ کفار مکہ نے ظلم وستم ڈھائے اور مکہ سے نکلنے پہ مجبور کردیا۔آپ ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی سیدنا علیؓ ابن ابیطالب کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کا سفر تین دن مؤخر کردیں، اور جن لوگوں کی امانتیں موجود ہیں، وہ ان کے مالکوں تک پہنچا کر پھر مدینہ آئیں۔﴿سیرت ابن ہشام، عربی، جلد اول، صفحہ 493﴾۔

آپ ﷺ کی امانتداری کی ایک اور مثال صلح حدیبیہ کے موقع پہ سامنے آئی۔جب معاہدہ میں موجود ایک شق کے مطابق اگر کوئی مسلمان نبی ﷺ کو چھوڑ کر اہل مکہ سے جاملتا تو اس کو واپس نہ کیا جاتا، البتہ اگر کوئی مکے کا شخص مسلمانوں سے مدینہ میں جاملتا تو اسے مکہ والوں کو واپس کرنا پڑتا۔ابھی معاہدہ مکمل نہ ہوا تھا کہ اہل مکہ میں سے ایک فرد جناب ابوجندلؓ جو مسلمان ہو چکے تھے، کفار کی قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آن پہنچے۔مشرکین مکہ نے حضرت محمد ﷺ سے معاہدے کی پاسداری، یعنی کہ جناب ابوجندلؓ جوان کے ظلم وستم سے فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے، کی واپسی کا کہا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوجندلؓ! صبر کر اور اللہ تعالیٰ سے صبر کی دعا بھی کر۔اللہ تعالیٰ یقیناً تمہاری اور دیگر مظلوموں کی مدد فرمائے گا اور اس مشکل کو تمہارے لئے آسان فرمادے گا۔ہم نے ان کافروں سے ایک معاہدہ کیا ہے اور یقیناً ہم عہد شکنی کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی غدار'' (البیہقی، 18611)۔

جراءت و بہادری:

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں: 'تم لوگوں نے مجھے بدر کی لڑائی کے دن دیکھنا چاہئے تھا، ہم لوگ اللہ کے پیغمبر ﷺ کے پیچھے پناہ لیتے تھے۔ہم میں سے دشمن کے سب سے زیادہ قریب اللہ کے رسول ﷺ تھے۔اس روز ہم سب میں سے اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے' (مسند احمد، 654)۔

عام حالات میں آپ ﷺ کی جرائت و بہادری کے متعلق حضرت انسؓ بن مالک ارشاد فرماتے ہیں: 'نبی ﷺ لوگوں میں سے بہترین اور بہادرترین تھے۔ایک رات جب اہل مدینہ خوفزدہ ہو گئے اور ان آوازوں کی طرف بڑھے جو مدینہ کے باہر کی طرف سے آرہی تھیں، تو انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اسی سمت سے واپس آرہے تھے، آپ ﷺ ابوطلحہؓ کے گھوڑے پہ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے واپس آرہے تھے۔گھوڑے پہ زین بھی نہ کسی ہوئی تھی۔جس سمت سے آوازیں آئی تھیں، وہاں سے آپ ﷺ چکر لگا کر دیکھ آئے تھے کہ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہ تھی۔اور آپ ﷺ لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہے تھے ''ڈرو مت! ڈرو مت''۔

جناب انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کو ایک سمندر کی طرح پایا۔آپ ﷺ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پہ سوار، گلے میں تلوار حمائل کئے ہوئے تھے، کہ کہیں تلوار کی ضرورت نہ پڑ جائے۔آپ ﷺ نے لوگوں کا انتظار نہ فرمایا کہ وہ جائیں اور حالات کا جائزہ لے کے آئیں، بلکہ خود آپ ﷺ سب سے پہلے خطرے کی جگہ پہنچے، جائزہ لیا اور پھر واپس آئے۔جیسا کہ عام طور پہ جرنیل وغیرہ ایسے مواقع پہ کرتے ہیں۔

احد کی لڑائی کے موقع پہ نبی ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کیا۔ساتھیوں نے لڑائی کا مشورہ دیا، لیکن خود اللہ کے نبی ﷺ

لڑائی کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔تاہم نبی ﷺ نے انکا مشورہ مان لیا۔ جب ساتھیوں نے محسوس کیا کہ نبی ﷺ نے ان کے کہنے پہ اپنی رائے تبدیل فرمائی ہے تو انہوں نے باہم ایک دوسرے کو کوسا کہ یہ انہوں نے کیا کیا ہے۔انصاری صحابہ کرامؓ نے عرض کیا 'اے اللہ کے نبی ﷺ ! جو آپ ﷺ چاہتے ہیں، ویسا ہی کیجئے'۔آپ ﷺ نے جواب دیا 'یہ کسی پیغمبر کے لائق نہیں کہ جب وہ لڑائی کیلئے ہتھیار سجا لے تو اس وقت تک انہیں اتارے جب تک وہ لڑائی نہ کرلے' (احمد،14829)۔

جود و سخا:

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: 'نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔آپ ﷺ رمضان المبارک میں خاص طور پہ بہت زیادہ سکاوت کا مظاہرہ فرماتے، جب کہ جبرائیلؑ آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور (سننا، سنانا) فرماتے۔ نبی ﷺ تیز ترین ہواؤں سے بڑھ کے سخاوت فرمانے والے تھے۔(بخاری،6)۔

سیدنا ابوذرؓ فرماتے ہیں:

''میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے حرہ (آتش فشانی پہاڑی علاقہ) علاقہ میں چل رہا تھا، حتّٰی کہ ہم احد پہاڑ کے سامنے جا پہنچے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:'اے ابوذر!' میں نے جواباً عرض کیا:'لبیک اے اللہ کے رسول ﷺ!' آپ ﷺ نے پھر فرمایا:'اگر میرے پاس اس احد پہاڑ کے برابر سونا موجود ہو تو مجھے اس وقت تک خوشی حاصل نہ ہوگی جب تک میں اسے ایک یا تین راتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر لوں۔ہاں کچھ دینار میں ان لوگوں کے لئے رکھ لوں جو مقروض ہوں (بخاری،2312)۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

'نبی ﷺ نے اپنی وفات کے بعد کوئی کوئی سکہ چاندی یا سونے کا یا بکری یا اونٹ دنیا میں نہیں چھوڑا اور نہ کسی شے کی بابت وصیت ہی فرمائی'۔

جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

'نبی کریم ﷺ سے کبھی کسی چیز کا بھی سوال نہیں کیا گیا، جسکے جواب میں حضور نے لا (نہیں) فرمایا ہو۔

کسی نے اس حدیث کا مفہوم یوں ادا کیا ہے:

نرفت **لا** بہ زبان مبارکش ہرگز مگر باشہدان لا الہ الا اللہ

جنگ حنین کے موقع پہ چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار چھٹانک چاندی مال غنیمت حاصل ہوا۔ نبی ﷺ نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نہ چھوا۔ گھر سے جس خیر و برکت کے ساتھ تشریف لائے تھے اسی طرح واپس گئے۔(رحمۃ للعالمین

صفحہ 330،جلد دوم)۔

شرم وحیا:

حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں:

'اللہ کے نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیا والے تھے۔اگر کوئی مکروہ چیز دیکھ لیتے تو زبان سے کچھ نہ فرماتے ۔حضورﷺ کے چہرہ پہ کراہت کے آثار نمایاں ہو جاتے (بخاری، 5751)۔

سیدنا انسؓ بن مالک فرماتے ہیں:

'ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں زعفران کا رنگ ملے ہوئے آیا۔حضورﷺ کی عادت تھی کہ کسی کے سامنے ایسی بات نہ کہتے تھے ،جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے لوگوں سے فرمایا! کاش تم اس سے کہہ دیتے کہ وہ اس رنگ کو چھوڑ دیتا۔(شمائل ترمذی)۔

بعض اوقات لوگوں کی طول کلامی سے حضورﷺ تھک جاتے یا زیادہ بیٹھے رہنے کی وجہ سے مجبور ہو جاتے تب بھی حیا کی وجہ سے خود تکلیف اٹھاتے اور ان سے کچھ نہ فرماتے۔(رحمۃ اللعالمین، جلد دوم، صفحہ 335)۔

خاکساری:

نبی ﷺ انتہائی عجز پسند تھے۔آپ ﷺ اتنے متواضع تھے کہ اگر کوئی اجنبی مسجد میں آپ ﷺ کی مجلس میں پہنچتا تو اور آپ ﷺ وہاں بیٹھے ہوتے تو وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے درمیان تمیز نہ کر سکتا۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی اپنے اونٹ پہ سوار آیا اور اپنا اونٹ باندھنے کے بعد سوال کرنے لگا: 'محمد ﷺ کون ہیں؟' آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور گردن جھکی ہوئی تھی۔ہم نے اس آدمی سے کہا کہ وہ جو سفید رو آدمی لیٹے ہوئے ہیں، وہی محمد ﷺ ہیں۔نبی ﷺ مجلس میں کسی اونچی یا نمایاں جگہ پہ نہیں بیٹھتے تھے۔

نبی ﷺ مصیبت کے مارے غریبوں، مساکین اور بیواؤں کی مدد کرنے سے ذرا نہ ہچکچاتے تھے۔سیدنا انسؓ بن مالک فرماتے ہیں:

'مدینہ کی ایک نیم پاگل عورت نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ مجھے آپ ﷺ سے کچھ کہنا ہے، نبی ﷺ نے اس کی مدد فرمائی اور ضرورت بھی پوری فرمائی۔'(بخاری،670)۔

ایک دفعہ ایک دیہاتی آدمی آیا، اس نے سوال کیا، حضورﷺ نے اسے کچھ دے دیا، اور پوچھا ٹھیک ہے۔وہ بولا: نہیں، تم نے میرے ساتھ کچھ بھی سلوک نہیں کیا، مسلمان یہ سن کر بے تابانہ اس کی طرف اٹھے۔حضورﷺ نے اشارہ کیا کہ رک جاؤ، پھر نبی ﷺ گھر میں تشریف لے گئے ،گھر سے لا کر اور بھی کچھ اسے دیا۔، وہ خوش ہو کر دعا دینے لگا۔(رحمۃ اللعالمین، جلد دوم، صفحہ 335)۔

رحم وتلطف:

حضرت ابومسعودؓ انصاری فرماتے ہیں:

'ایک بندہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں فجر کی نماز نہیں پڑھتا کیونکہ فلاں فلاں شخص نماز بہت لمبی پڑھاتا ہے۔ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی نبی ﷺ کو اتنے غصہ کے عالم میں خطبہ دیتے ہوئے نہیں دیکھا، جتنا کہ اس روز دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا:'اے لوگو تم میں ایسے لوگ ہیں جو لوگوں کو متنفر کرتے ہیں، اگر تم میں سے کوئی نماز کی امامت کروائے تو اسے مختصر کرے۔(کیونکہ) نمازیوں میں بوڑھے، کمزور اور کام کاج والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔(بخاری، 670)۔

سیدنا اسامہؓ بن زید فرماتے ہیں کہ: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں تھے کہ حضور ﷺ کی ایک بیٹی کا خادم آیا کہ وہ حضور ﷺ کو بلا رہی ہیں ۔اوران کا بیٹا بستر مرگ پہ ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ لڑکی سے کہہ دو: خدا ہی کا ہے جو کچھ وہ واپس لے لیتا ہے یا عطا کرتا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔بیٹی سے یہ بھی کہہ دینا کہ صبر وشکیب قائم رکھے۔خادم پھر واپس آیا، کہا وہ حضور ﷺ کو قسم دیتی ہیں کہ حضور ﷺ ضرور تشریف لائیں۔ نبی ﷺ چل پڑے۔ نبی ﷺ کے ساتھ سعدؓ بن عبادہ اور معاذؓ بن جبل بھی تھے۔حضور ﷺ بچے کے بستر پہ بیٹھ گئے جب کہ وہ بستر مرگ پہ تھا۔ بچے کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ رو پڑے۔ یہ دیکھ کر سعدؓ پوچھنے لگے:'اللہ کے نبی ﷺ یہ (یعنی رونا کیسا) کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا:'یہ تو اللہ کی رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ ان پہ رحم کرتا ہے جو دوسروں پہ رحم کرتے ہیں۔(بخاری، 6492)۔

عفو وکرم:

سیدنا انسؓ بن مالک فرماتے ہیں:

'میں نبی ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ﷺ نے کھردرے گلے والا ایک یمنی چغہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ایک اعرابی آیا اور سختی سے آپ ﷺ کے گلے کو پکڑ لیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن پہ نشان پڑ گیا تھا۔ اعرابی کہنے لگا:'اے محمد ﷺ! اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے، اس میں سے مجھے بھی (کچھ) دو۔ نبی ﷺ نے اعرابی کی طرف رخ کیا، ہنسے اور حکم دیا کہ اسے کچھ دیا جائے (رقم وغیرہ)۔(بخاری، 2980)۔

نبی ﷺ کے عفو و کرم کی ایک اور روشن مثال یہودی ربی زید بن صعنہ کے قصہ میں پنہاں ہے۔زید سے نبی ﷺ نے کچھ قرض لیا تھا۔ زید کہتا ہے:

' قرضہ کی ادائیگی کی طے شدہ تاریخ سے دو یا تین روز قبل نبی ﷺ ایک انصاری صحابیؓ کی نماز جنازہ کیلئے آئے ہوئے

تھے۔ابوبکرؓ،عمرؓ،عثمانؓ اور چند دیگر صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد نبی ﷺ ایک دیوار کے قریب تشریف لائے اور بیٹھ گئے،میں انکے قریب چلا آیا اور انکی چادر کو کناروں سے پکڑا اور ترشی سے آپ ﷺ کو دیکھا اور کہا: 'اے محمد ﷺ! کیا آپ ﷺ میرا قرض واپس نہیں کریں گے؟ میں نے آل عبدالمطلب کو قرض کی ادائیگی میں دیر کرنے والا تو نہیں پایا'۔

زید کہتا ہے کہ میں نے عمرؓ ابن خطاب کو دیکھا تو غصہ کی شدت سے انکی آنکھیں ابلی پڑتی تھیں۔انہوں نے مجھے دیکھا اور کہنے لگے: 'او دشمن خدا! کیا تو اللہ کے نبی ﷺ سے اس طرح بدتمیزی کرے گا؟ مجھے اس اللہ کی قسم جس نے نبی ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا،اگر مجھے اس (جنت) کے کھو جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن تن سے جدا کر دیتا۔(کیونکہ اسلام کسی غیر مسلم ذمی کی قتل کرنے کو سنگین جرم قرار دیتا ہے،جس کی سزا جنت سے محرومی ہے،جو ہر مسلمان کی تمنا و خواہش ہے)۔زید کہتا ہے کہ اس سارے ماجرا میں نبی ﷺ خاموشی واطمینان سے بیٹھے رہے اور عمرؓ کو دیکھتے رہے۔پھر عمرؓ سے فرمایا: 'اے عمرؓ! زید پہ غصہ ہونے کی بجائے تمہیں مجھے اور زید کو اچھا مشورہ دینا چاہئے تھا۔جاؤ اور زید کو اس کا قرض ادا کرو،اور بیس صاع (پیمانہ پیمائش،جیسے کلو) زائد بھی دینا کیونکہ تم نے اسے دھمکایا بھی ہے'۔

زید کہتا ہے کہ عمرؓ ابن خطاب میرے ساتھ گئے،مجھے میرا قرض ادا کیا اور بیس صاع کھجوریں زائد بھی ادا کیں۔میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا،کیونکہ انہوں نے مجھے دھمکایا تھا۔زید نے پھر عمرؓ ابن خطاب سے سوال کیا: 'کیا تم جانتے ہو،میں کون ہوں؟'۔عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ مجھے نہیں جانتے۔زید کہتے ہیں،میں نے کہا: 'میں زید بن صعنہ ہوں'۔عمرؓ فرمانے لگے: 'وہ زید جو ربی ہے (ربی یہود کے علماء کو کہا جاتا ہے)'۔زید نے جواب دیا 'ہاں ربی زید'۔عمرؓ نے زید سے سوال کیا کہ 'تم نے اللہ کے نبی ﷺ سے جو سلوک بول چال اور ملاقات میں روا رکھا تھا،کس بات نے تمہیں اس پہ اکسایا تھا؟' زید نے جواب دیا: 'اے عمرؓ! میں محمد ﷺ کے چہرہ میں نبوت کی تمام علامات دیکھ چکا ہوں،صرف دو کا دیکھنا باقی تھا۔پہلی یہ کہ ان کا صبر وتحمل ان کے امی ہونے سے بہت بڑھ کے تھا اور دوسری یہ کہ جتنا کوئی ان سے تلخ ہو،اتنا وہ اس سے نرم اور صبر والے ہو جائیں گے۔اب میں (یہ دونشانیاں بھی دیکھ کر) مطمئن ہوں۔اے عمرؓ میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،اسلام میرا دین ہے اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں۔اے عمرؓ! میں تجھے اس بات پہ بھی گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ میں اپنی نصف دولت،محمد ﷺ کی امت میں تقسیم کر دوں گا،اور میں مدینہ کے امیر ترین اشخاص میں سے ایک ہوں۔یہ سن کر عمرؓ نے کہا کہ اگر تم اپنی یہ دولت ساری امت میں تقسیم نہیں کر سکو گے (کیونکہ لوگ زیادہ اور مال کم ہو گا،انہیں انتہائی معمولی حصہ ملے گا)۔اسلئے تم یوں کہو کہ تم اپنی دولت امت کے کچھ افراد کو دو گے۔یہ سن کر زیدؓ بولے! میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں'۔یہ زیدؓ مسلمان رہے،کئی جنگوں میں حصہ لیا،آخر کار تبوک کی لڑائی میں دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔اللہ تعالیٰ زیدؓ پہ رحمت فرمائے' (ابن حبان،288)۔

نبی ﷺ کے عظیم عفو وکرم کی مثال فتح مکہ کے موقع پہ سامنے آئی،ایسی روشن مثال دنیا کا کوئی معاشرہ،قوم اور فرد پیش کرنے سے قاصر ہے۔فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ نے اہل مکہ کو جمع کیا،اور یاد رہے یہ وہی اہل مکہ ہیں،جنہوں نے خود آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو

گالیاں دی تھیں، تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور ہر طرح کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی، ان سے فرمایا:

’تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ معزز اور کریم بھائی ہیں اور معزز و کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’جاؤ! تم آزاد ہو‘ (بیہقی، 18055)۔

صبر:

نبی ﷺ صبر کا گویا اک پہاڑ تھے۔ جب ابھی آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کا آغاز نہیں کیا تھا تو آپ ﷺ دیکھا کرتے تھے کہ قوم بتوں کی پوجا کرتی تھی اور گناہ کے کاموں میں مشغول رہتی تھی، نبی ﷺ اس پہ صبر کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو اہل مکہ اور دیگر کفار نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، بدکلامی کی، ہر وہ کام جس سے ان قدوسی صفت لوگوں کو ذہنی، جسمانی، روحانی تکلیف پہنچ سکتی تھی، وہ انہوں نے کر دیکھا۔ لیکن آفرین ہے صبر کے ان پتلوں پہ، اور بالخصوص پیغمبر ﷺ پہ کہ شدید سے شدید حالات میں بھی صبر کا ہی مظاہرہ کیا۔ جلد بازی، واویلا اور سفلے پن سے انتہائی دور رہے، اپنے مشن پہ پختہ رہے اور اسلام کے حقیقی پیغام کو پھیلانے کی بھرپور کوشش فرماتے رہے۔ اور اس سارے عمل عظیم کیلئے لوگوں سے کچھ بدلہ نہیں چاہا، بلکہ اللہ رب العزت ہی سے اجر عظیم کی امید رکھی، جیسا کہ انبیاءؑ کی سنت مبارکہ ہے۔ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، تو وہاں منافقین کی بدتمیزیاں اور سازشیں آپ ﷺ کے سامنے تھیں، لیکن آپ ﷺ نے انتہائی پروقار انداز میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ کی پیاری بیوی ام المومنین سیدہ خدیجہؓ طاہرہ، آپ ﷺ کے تمام بیٹے اور سیدہ فاطمہؓ کے سوا تمام بیٹیاں آپ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئیں، ان تمام اندوہ کن اور جگر پاش مواقع پہ اللہ کے نبی ﷺ صبر کا مثالی نمونہ بن کر سامنے آئے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی وفات پا گئے، سید الشہداء امیر حمزہؓ بھی شہید ہو گئے، بہت کچھ ہوا، بہت کچھ ہوا، لیکن کیا کہنے اس نبی برحق ﷺ کے صبر کے مظاہرہ عظیم کے۔ ان تمام مواقع پہ آپ ﷺ اللہ کی رضا پہ راضی رہے، جیسا کہ راضی رہنے کا حق تھا۔

سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں:

’ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ابو سیف لوہار کے ہاں گئے اور وہ (رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے) سیدنا ابراہیمؑ کے رضاعی باپ تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابراہیمؑ کو لے لیا اور انہیں بوسہ دیا اور ان کے اوپر اپنا منہ مبارک رکھا۔ پھر ہم اس کے بعد ابو سیف کے ہاں گئے اور سیدنا ابراہیمؑ جانکنی کے عالم میں تھے، تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پس عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ (روتے ہیں)، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابن عوف! یہ تو ایک رحمت ہے“ پھر آپ ﷺ اور روئے اور فرمایا: ”آنکھ رو رہی ہے اور دل رنجیدہ ہے اور ہم زبان سے نہیں کہتے مگر وہی بات جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو اور اے ابراہیمؑ! ہم تمہاری جدائی سے بڑے غمگین ہیں“ (بخاری، 1241)۔

انصاف پسندی:

نبیﷺ اپنی زندگی کے ہر ہر پہلو اور رُخ میں انصاف پسند واقع ہوئے تھے۔شریعت اسلامی (قوانین اسلام) کے اطلاق میں امیر غریب، چھوٹے بڑے کی تمیز کبھی روا نہ رکھی۔ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

'قریش کے لوگ اس مخزومی عورت (بنی مخزوم قبیلہ) کے متعلق بہت پریشان تھے،جس نے چوری کی تھی۔وہ باہم بات چیت کرتے تھے کہ کون اللہ کے نبیﷺ سے اس کے متعلق بات کرے (یعنی سفارش کرے)۔بالآخر وہ اس بات پہ متفق ہو گئے کہ اس سلسلہ میں نبیﷺ کے انتہائی عزیز نوجوان اسامہؓ بن زید کے سوا کوئی اور بات کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔پس اسامہؓ نے نبیﷺ سے اس عورت کے متعلق بات کی۔نبیﷺ نے فرمایا:'اے اسامہ! کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے متعلق سفارش کرتا ہے؟' (یعنی معزز قبیلہ کی عورت ہونے کی وجہ سے اس پہ چوری کی حد، یعنی قطع ید قائم نہ کی جائے)۔نبیﷺ اٹھے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

'تم سے پہلی قومیں اس وجہ سے تباہ ہو گئی تھیں، کہ جب ان کے معزز لوگوں میں سے کوئی چوری کرتا تو وہ اسے کچھ نہ کہتے (شریعت معطل کر دیتے، سزا نہ دیتے)،اور جب کوئی غریب اور کمزور شخص چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔اللہ کی قسم! اگر محمدﷺ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی، تو محمدﷺ اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا'۔(بخاری،3288)۔

نبیﷺ ہر معاملہ میں انصاف پسند تھے،اگر آپﷺ سے کسی کو کبھی کوئی تکلیف پہنچتی تو آپﷺ اس کا بدلہ دینے کو تیار ہو جاتے۔سیدنا اسید بن حضیرؓ فرماتے ہیں:

'ایک انصاری آدمی لوگوں کو لطیفے سنا کر ہنسا رہا تھا، نبیﷺ کا وہاں سے گزر ہوا،آپﷺ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی درخت کی شاخ اسے ہلکے سے چبھوئی۔اس انصاری شخص نے کہا! اللہ کے نبیﷺ مجھے بدلہ لینے دیجئے (یعنی آپﷺ نے مجھے چھڑی چبھوئی ہے، مجھے بھی ایسا ہی کرنے دیجئے)۔نبیﷺ نے فرمایا:'لے لو'۔اس پر وہ آدمی بولا:'اے اللہ کے نبیﷺ! جب آپﷺ نے مجھے چھڑی چبھوئی تو میرے جسم پہ کپڑا نہ تھا، آپﷺ تو کپڑا اوڑھے ہوئے ہیں۔نبیﷺ نے نے اپنی قمیص اوپر اٹھائی،اس پر اس انصاری نے آپﷺ کے جسم مبارک کو بوسہ دیا اور کہا:'اے اللہ کے نبیﷺ، میرا مقصد تو صرف یہ (بوسہ) تھا'۔(سنن ابی داؤد،5224)۔

خوف خدا:

نبیﷺ ہمہ وقت اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے۔عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں:

'(ایک مرتبہ) اللہ کے نبیﷺ نے مجھے فرمایا:'مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ!'۔میں نے عرض کی! بھلا میں کیا سناؤں، قرآن تو آپﷺ پہ نازل ہوا ہے؟۔نبیﷺ نے فرمایا:'مجھے دوسرے سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔تو میں نے سورہ النساء کی تلاوت شروع کی، حتّٰی کہ میں اس

آیت تک پہنچ گیا﴿پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے ﴾تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس کر' 'اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔(بخاری)۔

ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

'اگر اللہ کے نبی ﷺ گہرے سیاہ بادل دیکھ لیتے تو آپ ﷺ آگے پیچھے پھرتے، گھر میں آتے، پھر باہر جاتے۔(یعنی بے چین اور پریشان ہوجاتے)۔جونہی بادل برس جاتا، نبی ﷺ پرسکون ہوجاتے۔'عائشہؓ فرماتی ہیں: 'میں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'مجھے معلوم نہیں، یہ کہیں ویسا معاملہ نہ ہو، جیسا کہ ان لوگوں کا، جنہوں نے کہا تھا:

﴿پھر جب انہوں نے (اس عذاب کو) بادلوں کی شکل میں اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے''یہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کردے گا''......نہیں، بلکہ یہ وہی چیز (عذاب) ہے جس کے لئے تم جلدی مچارہے تھے۔یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب چلا آرہا ہے﴾(الاحقاف، 2334)،(بخاری2334)۔

اطمینان قلبی اور غنا:

سیدنا عمرؓ ابن خطاب بیان فرماتے ہیں:

'میں اللہ کے نبی ﷺ کے گھر حاضر ہوا، آپ ﷺ ایک چٹائی پہ تشریف فرما تھے۔وہاں ایک چمڑے کا سرہانہ، جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، پڑا تھا۔آپ ﷺ کے قدموں کے پاس پانی کا ایک برتن اور دیوار پہ چند کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔جس چٹائی پہ آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے، اس کی (کھردرے پن) وجہ سے آپ ﷺ کے جسم پہ نشان پڑ گئے تھے۔یہ دیکھ کر عمرؓ رونے لگے۔اللہ کے نبی ﷺ نے عمرؓ سے پوچھا: عمرؓ روئے کیوں؟۔عمرؓ فرمانے لگے: اللہ کے رسول ﷺ! قیصر وکسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹیں اور آپ ﷺ اس غربت میں ہوں! نبی ﷺ نے جواب دیا: 'کیا تم اس بات پہ خوش نہیں ہو کہ وہ تو اس (عارضی، فانی) دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم اُس (دائم، لافانی) دنیا میں عیش کریں۔(بخاری، 4629)۔

اپنے پرائے کا غم کھانے والا:

ام لمومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا (کہ) کیا احد (جنگ احد) سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ ﷺ پر آیا ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'میں نے تمہاری قوم (قریش) سے جو جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔اور سب سے زیادہ سخت دن مجھ پہ مقام عقبہ (جو طائف کی طرف ہے) کا دن گزرا ہے، جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال (جو طائف کا رئیس تھا) کے سامنے پیش کیا اور اس نے میری خواہش پوری نہ کی (مدد وغیرہ نہ کی)۔پس میں نہایت رنج میں چلا، میں اپنے ہوش میں نہ آیا تھا

کہ قرن الثعالب (مقام) میں پہنچا۔ اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے مجھ پہ سایہ کرلیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا تو اس میں جبریلؑ تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی کہ اللہ نے آپ ﷺ کی قوم کی گفتگو سن لی اور وہ جواب جو انہوں نے آپ ﷺ کو دیا (وہ بھی سن لیا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے، آپ ﷺ اس کو کافروں کے بارے میں جو حکم چاہیں، دے دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی: سلام کیا، اس کے بعد کہا کہ اے محمد ﷺ! جو تم چاہو موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں اخشبین (دو پہاڑ) ان پر رکھ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! میں یہ نہیں چاہتا، بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی پشت (اولاد) سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ رب العزت کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ (بخاری، 3059)۔

یاد رہے کہ یہ وہی سخت دن اور وہی سخت لوگ تھے، جب اللہ کے نبی ﷺ پہ اوباشوں اور لونڈوں کو چھوڑ دیا گیا کہ آپ ﷺ پہ پتھر برسائیں، اور انہوں نے پتھر برسائے اور اتنے برسائے کہ جسم مبارک سے خون بہہ بہہ کر جوتوں میں جم گیا تھا۔ اس سارے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ اور پہاڑوں کے فرشتہ کو مندرجہ بالا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ لیکن قربان جائیں، اس رحمۃ للعالمین ﷺ کے، کہ اتنی تکلیف اٹھانے کے باوجود ان کیلئے عذاب کی تمنا نہیں، بلکہ ہدایت کی آرزو ظاہر فرمائی۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول وہ شخص تھا کہ جب مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے، تو اس سے قبل اہل مدینہ اسکو اپنا بادشاہ بنانے پہ تقریباً متفق ہو چکے تھے۔ حضرت محمد ﷺ کے مدینہ چلے آنے کی وجہ سے اس کی بادشاہی اور تاجپوشی کا معاملہ پس پشت پڑ گیا۔ اب جب اس نے دیکھا کہ اسلام اور اہل اسلام کا معاملہ مدینہ اور اسکے اردگرد بڑھتا چلا جا رہا ہے تو اس نے ظاہری طور پہ اسلام قبول کرلیا، لیکن دلی طور پہ پکا کافر رہا۔ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اور مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ دوسرے اہل عرب کو سازشوں کے ذریعے مدینہ کے اقتدار کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ مختلف جنگوں میں اس نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی، جیسا کہ احد کے موقع پہ یہ تقریباً تین سو افراد کو لشکر اسلام سے نکال کر واپس مدینہ چلا گیا، جبکہ مسلمان صرف ایک ہزار کی تعداد میں تھے، اب وہ کم ہو کر صرف سات سے کے قریب رہ گئے۔ علاوہ ازیں بھی منافقین کا یہ سردار محمد ﷺ، اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی کا کوئی نہ کوئی رستہ نکالتا ہی رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس اور اس کی پارٹی کے متعلق ہدایت فرمائی تھی کہ ان کیلئے آپ ﷺ استغفار نہ ہی کریں۔ البتہ اس کا سگا بیٹا عبداللہؓ صحیح اور پکا مومن و مسلم تھا، آیئے دیکھتے ہیں رسول رحمت حضرت محمد ﷺ نے اس عبداللہ ابن ابی ابن سلول، رئیس المنافقین، عدو اسلام والمسلمین کے ساتھ کیا برتاؤ روا رکھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

'جب عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافقین کا سرپنچ) مرا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ (مومن صادق) اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اپنی قمیض مبارک عنائت فرما دیجئے، کہ میں اس سے اپنے والد کو کفن دوں، پھر عبداللہؓ نے آپ ﷺ سے اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کی استدعا کی۔ نبی ﷺ ایسا کرنے کو اٹھے۔ لیکن عمرؓ نے آپ ﷺ کو کھینچا اور کہا: 'اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ اس پر اللہ کے منع کرنے کے باوجود نماز پڑھیں گے؟' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: 'اللہ نے اس سلسلہ میں مجھے

اختیار دیا ہے، کہ نماز جنازہ پڑھوں یا نہ پڑھوں، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔

﴿(اے نبی!) تم خواہ ایسے لوگوں کے لئے معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کرنے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا۔﴾ (التوبۃ:80)۔

اور میں اس کے لئے ستر سے زائد مرتبہ معافی کی درخواست کروں گا۔ عمرؓ نے فرمایا: 'وہ تو منافق ہے'۔ (لیکن) جناب محمد ﷺ نے (اس بدترین دشمن اسلام، جو ظاہری طور پہ مسلمان تھا، لیکن اندرون خانہ اسلام کی شکست کا سب سے بڑا خواہشمند تھا) کی نماز جنازہ پڑھائی، اور (پھر) اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

﴿اور آئندہ ان میں سے جو کوئی بھی مرے، اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس عالم میں مرے ہیں کہ وہ فاسق تھے۔﴾ (التوبۃ، 84) (بخاری، 2400)۔

اخلاق نبوی ﷺ

ساتھیوں سے مخلصانہ تعلقات:

نبی ﷺ کی سیرت طیبہ کے متعلق ہمارے پاس انتہائی تفصیلی مواد موجود ہے، اس تمام مواد سے ہم یہ نتیجہ انتہائی آسانی سے اخذ کر سکتے ہیں کہ محمد ﷺ کے اپنے ساتھیوں سے انتہائی قریبی، مربیانہ اور مخلصانہ تعلقات قائم تھے۔ نبی ﷺ کی ذات ہی ایسی ذات مبارکہ ہے، کہ جس کی پیروی ہم زندگی کے تمام امور میں بلا دھڑک کر سکتے ہیں، اور اس یقین کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ اس سے ہم دنیا و آخرت میں ہرگز خسارہ میں نہ رہیں گے۔ جناب جریر بن عبداللہؓ، صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں جناب رسول ﷺ کے پاس آیا ہوں اور آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہو، اور جب بھی آپ ﷺ مجھے دیکھتے تو مسکراتے۔ ایک دفعہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: 'اللہ کے رسول ﷺ! میں گھوڑے پہ سواری نہیں کر سکتا'۔ اس پہ نبی ﷺ نے (پیار سے) میرے سینے پہ ہاتھ مارا اور پھر اللہ سے میرے لئے دعا فرمائی:

﴿اے اللہ! اسے ثابت قدم فرما، اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے رہنما اور مشعل راہ بنا﴾ (بخاری، 5739)۔

ہنسی مذاق:

اللہ کے نبی ﷺ جو دین لے کے تشریف لائے، وہ یقیناً سب سے زیادہ آخرت کی فکر پیدا کرتا ہے، اس دنیا کو وہ دھوکے کا گھر اور کھیل تماشا ہی قرار دیتا ہے۔ لیکن رہبانیت، ترک دنیا، تقلیل طعام و کلام اور اسی طرح کی خود ساختہ عبادات کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اسلام اعتدال کا مذہب اور دین ہے اور اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب اپنی مجالس میں تشریف فرماتے تو ان میں ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتیں۔ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

﴿نبی ﷺ سب سے زیادہ با اخلاق تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی ابو عمیر تھا، اس کے پاس النغیر نامی ایک پرندہ تھا، جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ابو عمیر اس پرندے سے کھیل رہے تھے، تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: 'اے ابو عمیر! نغیر نے تیرے ساتھ کیا کیا؟'﴾ (مسلم، 2150)۔

نبی ﷺ نہ صرف بات چیت کے ذریعے اپنے ساتھیوں سے ہنسی مذاق فرمایا کرتے تھے، بلکہ عملی طور پہ بھی ان سے خوش فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

﴿ایک بدوی ظاہرؓ بن حرام نبی ﷺ کے لئے چیزیں تیار کیا کرتے تھے اور تحفے لایا کرتے تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: 'ظاہرؓ ہمارا صحرا ہے اور ہم اس کا شہر ہیں'۔ ایک دفعہ نبی ﷺ انہی ظاہرؓ کے پاس اس عالم میں پہنچے کہ وہ اپنا سامان (بازار میں) فروخت کر رہے تھے، ان کا منہ آگے کی طرف تھا۔ نبی ﷺ نے پیچھے سے جا کر ان کی کمر اپنے سینہ مبارک سے لگا لی۔ ظاہرؓ کو معلوم نہ تھا کہ میرے پیچھے کون ہے۔ اس لئے کہنے لگے: 'چھوڑو بھئی کون ہے؟'۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے پیچھے سے آ کے پکڑنے والا کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، تو ظاہرؓ نے اپنی کمر جناب محمد ﷺ کے سینہ مبارک سے اور زور سے لگا دی۔ پھر نبی ﷺ نے اسی عالم میں فرمایا: 'کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خریدے (حالانکہ ظاہرؓ آزاد آدمی تھے، غلام نہیں، لیکن یہ محبت کا انداز ہے)۔ ظاہرؓ فرمانے لگے: 'اللہ کے نبی ﷺ! یہ غلام تو کسی کام کا نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: '(ظاہر!) اللہ کے ہاں تو تیری بڑی قیمت ہے اور اس کے ہاں تو بڑے مقام والا ہے'۔ (ابن حبان، 5790)۔

قارئین! ذرا غور فرمائیے، یہ اللہ کا پیغمبر ہے، خدا کا آخری رسول، انسانیت کیلئے رحمت و محبت کا سفیر اور آدمؑ کی ساری اولاد کا سردار، اتنا عظیم آدمی! لیکن کس طرح اپنے جانثاروں کی دلجوئی کر رہا ہے۔ انہیں بتلا رہا ہے کہ اسلام حسب و نسب اور مال و منال کی بنیاد پہ عزت و عظمت کے معیار کھڑے نہیں کرتا، بلکہ یہ تو تقوٰی اور اللہ و رسول سے محبت ہے، جس کی بنیاد پہ اللہ کے ہاں درجات کی بلندی اور ہمیشہ کی سرفرازی نصیب ہوتی ہے، وہ انہیں ان کی قدر و قیمت سے آگاہ کر رہا ہے۔ اور حقیقت تو یہی ہے کہ جسے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے حقیقی و عملی محبت ہوگی، وہ اللہ کے ہاں کبھی خسارے میں نہ ہوگا۔ انشاءاللہ۔

مشاورت:

جن امور میں آسمان سے وحی نازل نہ ہوتی تھی، ان کے متعلق نبی ﷺ اپنے ساتھیوں سے مشاورت فرمایا کرتے تھے، مختلف مسائل میں ان کے نکتہ ہائے نظر سنا کرتے اور ان کی رائے سے استفادہ فرماتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

﴿میں نے نبی ﷺ سے بڑھ کے اپنے ساتھیوں کے مخلصانہ مشوروں کی طلب رکھنے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا﴾ (ترمذی، 1714)۔

مسلم و غیر مسلم، ہر ایک کی بیمار پرسی:

نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کی خیر و عافیت کے متعلق انتہائی فکر مند رہتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کو کسی بھی ساتھی کے متعلق علم ہوتا کہ وہ بیمار ہے، تو آپ ﷺ اسی وقت اپنے ساتھ موجود صحابہؓ کے ہمراہ اس ساتھی کی عیادت و بیمار پرسی کیلئے تشریف لے جاتے۔ اور اس معاملہ میں آپ ﷺ مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز روا نہ رکھتے تھے، بلکہ اگر کوئی غیر مسلم بھی بیمار پڑتا، اور آپ ﷺ کو پتہ چلتا تو آپ ﷺ اس کی بھی بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے۔ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

﴿ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کے ہاں کام کیا کرتا تھا، وہ بیمار پڑ گیا۔ نبی ﷺ فرمانے لگے: 'چلو بھئی! اس کی عیادت کریں'۔ پھر لوگ اس کی عیادت کو نبی ﷺ کی معیت میں گئے۔ وہاں پہنچے تو اس کا باپ اس کے سر کی طرف بیٹھا تھا (بچے پہ موت کے آثار واضح تھے، یہ دیکھ کر) اللہ کے نبی ﷺ بولے: '(بچے!) گواہی دو کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور تمہارے اس کے پڑھنے کی وجہ سے میں روز قیامت اللہ کے ہاں تمہاری سفارش کروں گا'۔ (یہ بات سن کر) بچے نے اپنے والد کی طرف دیکھا، تو وہ بولا: 'ابوالقاسم (محمد ﷺ کی کنیت) کی اطاعت کرو'۔ (باپ کی یہ بات سن کر) بچے نہ کہا: 'میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'۔ (بچے کے اسلام قبول کرنے پر) نبی ﷺ نے کہا کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جس نے بچے کو جہنم کی آگ سے بچایا۔﴾ (ابن حبان، 2960)۔

بھلائی کا جواب شکریہ اور مزید بھلائی:

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے تھے:

﴿جو تمہارے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے، پھر اسے کچھ نہ کہو۔ جو کوئی تم سے اللہ کے نام پہ کچھ مانگے، اسے وہ چیز دو۔ جو کوئی تمہاری دعوت کرے، اس کی دعوت قبول کرو۔ جو کوئی تم پہ کوئی مہربانی کرے یا تمہاری کسی (جائز) معاملہ میں مدد کرے، تو تم بھی اس کی مدد کرو یا اسی انداز میں اس پہ مہربانی کرو۔ اگر تم اس کی قوت نہ رکھتے ہو تو پھر اللہ سے مسلسل اس کے لئے (بھلائی کی) دعا کرو، حتّٰی کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔﴾ (مسند احمد، 6106)۔

ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

﴿اللہ کے نبی ﷺ تحائف قبول بھی فرماتے اور ان کے بدلے میں انتہائی فیاضی سے تحفے دیتے بھی﴾ (بخاری،2445)۔

جمالیاتی ذوق:

سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں:

﴿میں نے ریشم اور کوئی (بھی) باریک کپڑا رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ ملائم نہیں دیکھا اور نہ کوئی خوشبو یا بو نبی ﷺ کی خوشبو یا بو سے بہتر سونگھی﴾ (مختصر صحیح بخاری،1893)۔

دوسروں کی مدد بذریعہ سفارش:

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں:

﴿بریرہؓ کا شوہر مغیث نامی ایک غلام تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مغیث اپنی بیوی کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر تھی (لیکن بریرہؓ ان کے ساتھ رہنے کو تیار نہ تھیں)۔ اللہ کے نبی ﷺ نے عباسؓ سے فرمایا: 'عباس! ذرا دیکھو تو! مغیث تو اپنی بیوی پہ جان چھڑکتے ہیں اور ان کی بیوی ان سے سخت نفرت کرتی ہیں۔ (پھر) نبی ﷺ نے بریرہؓ سے فرمایا: 'تم مغیث کے پاس چلی کیوں نہیں جاتیں؟ بریرہؓ نے اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کی: 'کیا آپ حکم دے رہے ہیں؟' آپ ﷺ نے فرمایا: 'نہیں، میں تو اس کی طرف سے سفارش کر رہا ہوں ...' بریرہؓ نے کہا: '(اگر آپ حکماً نہیں کہہ رہے تو پھر) مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔﴾ (بخاری،4875)۔

اپنے کام خود کرنا:

ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

﴿مجھ سے سوال کیا گیا تھا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں کیسے رہا سہا کرتے تھے۔ (تو سنو!) آپ ﷺ دوسرے مردوں کی طرح اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے تھے، جانوروں کا دودھ دوہ لیا کرتے تھے اور اپنے کام کاج خود کر لیا کرتے تھے۔﴾ (مسند احمد،24998)

نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ کے کیا کہنے! کہ اپنے کام کاج تو کر ہی لیا کرتے تھے، دوسروں کی خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

﴿مجھ سے سوال کیا گیا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ گھر میں کیسے رہا سہا کرتے تھے۔ (تو سنو!) آپ ﷺ گھریلو کام کاج میں گھر والوں کی

مدد فرمایا کرتے تھے، اور جب آپ ﷺ اذان کی آواز سماعت فرماتے تو مسجد تشریف لے جاتے۔﴾ (بخاری، 5048)۔

مختصراً آپ کہہ سکتے ہیں کہ محمد ﷺ کی ذات میں ایک مذہبی مبلغ، ایک سماجی مصلح، ایک اخلاقی رہبر، ایک انتظامی افسر، ایک قابل اعتماد دوست، ایک شاندار رفیق، ایک وفادار شوہر سے لے کر ایک شفیق باپ تک کی خوبیاں موجود تھیں۔ تاریخ میں آپ کو ایک بھی شخص ایسا نہ ملے گا جسے دیکھ جانچ کر آپ یہ کہہ سکیں کہ ان تمام خوبیوں میں وہ محمد ﷺ سے آگے تھا یا برابر ہی تھا۔ اور یہ سب محمد ﷺ کی بے غرضی پہ مبنی شخصیت کا اعجاز تھا کہ اتنی مکمل خوبیاں آپ کو کہیں اور نہ ملیں گی۔

مبنی بر انصاف اقوال

عظیم جرمن شاعر گوئٹے:

جرمنی کا مشہور فلسفی شاعر گوئٹے (Goethe) کہتا ہے:

''میں نے انسانی تاریخ پر نگاہ دوڑائی کہ کوئی کامل انسان نظر آئے، اور مجھے تو یہ کمال محمد ﷺ کی ذات گرامی میں ہی نظر آیا''۔

مشہور سائنسدان پروفیسر کیتھ مور (Keith Moore):

طب کی دنیا کا ایک بڑا نام، کئی کتابوں کا مصنف ڈاکٹر کیتھ مور اپنی کتاب ''The Developing Human'' میں لکھتا ہے:

''کم از کم میں تو اس مسئلہ میں بالکل واضح ہوں کہ یہ بیانات (آیات قرآنی ،جن میں انسان کی مرحلہ وار تخلیق کا ذکر ہے، مثلاً نطفہ، مضغہ، علقہ وغیرہ) محمد ﷺ پہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، کیونکہ یہ معلومات تو محمد ﷺ کی بعثت کے کئی صدیوں بعد بھی انسان کے حاشیہ خیال تک میں نہ تھیں۔ اور مندرجہ بالا تاریخی حقیقت مجھ پہ یہ آشکارا کرنے کیلئے کافی ہے کہ یقیناً محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے''۔

یہی مصنف شہیر مزید لکھتا ہے:

''مجھے یہ کہنے میں ہرگز کوئی باک نہیں کہ جو بیانات (آیات) جناب محمد ﷺ کے اس مسئلہ (تخلیق انسان) میں ہیں، وہ صرف اور صرف آسمانی وحی ہی ہو سکتے ہیں''۔

سائنسدان ڈاکٹر موریس بکائل (Dr. Maurice Bucaille):

ڈاکٹر موریس اپنی کتاب ''The Quran, and Modern Science'' میں لکھتے ہیں:

''جدید علوم کی روشنی میں قرآن مجید کا ایک مکمل معروضی مطالعہ ہمیں یہ بات کہنے پہ مجبور کر دیتا ہے کہ ان دونوں (قرآن مجید اور جدید

سائنس) کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے،اور یہ حقیقت اس سے پہلے بھی متعدد مواقع پہ تسلیم کی جا چکی ہے۔اور اس بات کا تو تصور کرنا ہی محال ہے کہ قرآن کی یہ آیات محمدﷺ کے زمانہ کے کسی شخص کی تصنیف ہیں، کیونکہ اس دور میں سائنس اور دیگر علوم نے اتنی ترقی ہرگز نہ کی تھی۔اور قرآن مجید کی یہی خوبی (علمی وسائنسی حقائق) اسے ایک منفرد مقام بخشتی ہے اور ایک غیر جانب دار سائنسدان کو یہ بات تسلیم کرنے مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس کتاب کی صرف مادی دلائل کی بنیاد پہ توجیہ پیش نہیں کر سکتا (یعنی اس دور میں علم کی قلت ،سائنسی علوم کی عدم موجودگی کے باوجود قرآن مجید میں صحیح ترین سائنسی حقائق کے موجود ہونے کو ایک آسمانی وحی ہی قرار دیا جا سکتا ہے، نہ کہ کسی ایک یا چند ایک مصنفین کی ذہنی کاوش''۔

اینی بیسنٹ(Annie Besant):

اینی بیسنٹ اپنی کتاب ''The Life and Teachings of Mohammad''میں لکھتا ہے:

''جو شخص بھی اللہ کے پیغمبروں میں سے ایک عظیم پیغمبر اور عرب کے اس عظیم رہنما کی سیرت کا مطالعہ کرے گا کہ کیسے انہوں نے زندگی گزاری اور کیسے اسلام کی تعلیم دی، وہ شخص اپنے دل میں اس عالیشان نبی کیلئے احترام وعزت کے سوا کچھ نہ پائے گا۔اور اپنی اس کتاب میں جو کچھ میں بیان کرنے جا رہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ آپ میں سے کئی لوگ اس سے پہلے سے واقف ہوں،لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو جتنی مرتبہ بھی اس عظیم عربی معلم کی حیات اور تعلیمات کا مطالعہ کرتا ہوں، ہر دفعہ احترام کی ایک نئی سرشاری اور ستائش کا ایک نیا جذبہ میرے اندر پھوٹتا ہے''۔

ڈاکٹر گستاف ویل(Dr. Gustav Weil):

ڈاکٹر گستاف ویل اپنی کتاب ''History of Islamic People''میں رقم طراز ہے:

''اپنے ساتھیوں کیلئے محمدﷺ مینارہ نور تھے۔انکا کردار صاف اور بے داغ تھا۔ان کا گھر،ان کا لباس اوران کی خوراک ......ان سب میں غیر معمولی سادگی تھی۔وہ اتنے منکسر المزاج تھے کہ انکے ساتھی ان کے لئے الگ سے کوئی مذہبی امتیاز نہ برتتے تھے(یعنی تعظیم وقیام وغیرہ)، نہ ہی وہ اپنی غلام سے وہ کام کرواتے تھے، جو وہ خود کر سکتے ہوتے۔وہ ہمہ وقت لوگوں کی دسترس میں ہوتے تھے۔وہ بیماروں کی بیمار پرسی کیلئے جایا کرتے،ان کا دل لوگوں کیلئے رحم کے جذبات سے لبریز تھا۔ان کی شفقت اور سخاوت لامحدود تھی،اور وہ اپنے معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی کوشاں تھے''۔

ماؤرس گاڈفرے(Maurice Gaudfroy):

ماؤرس گاڈفرے کہتا ہے:

''محمد ﷺ صرف ایک مذہبی رہنما نہ تھے، بلکہ ایک پیغمبر تھے، اور یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ اس کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں۔ محمد ﷺ کے گرد رہنے والے افراد، جو اس اسلامی معاشرے کے با اثر افراد تھے، انہوں نے خود کو اس قانون (قرآن) کا پابند بنانے پہ ہی قناعت کی تھی، جس کے متعلق محمد ﷺ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ اس سلسلہ میں محمد ﷺ کی تعلیمات اور نمونے (سنت) کی پیروی کرتے تھے''۔(Encyclopedia of Seerah, Afzal ur Rehman)

گاڈفرے یہ کہنا چاہتا ہے کہ جیسے دیگر دنیاوی سلطنتوں میں بادشاہ کے قریبی لوگ تعیّشانہ اور من مانی کی زندگی گزارتے ہیں، ویسی کوئی بات محمد ﷺ کے ساتھیوں میں ہرگز نہ تھی، وہ صرف قرآن اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پہ عمل کرنے میں نجات سمجھتے تھے۔

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving):

واشنگٹن ارونگ کہتا ہے:

''ان کی (محمد ﷺ) جنگی فتوحات کے بعد فخر و مباہات اور بے حقیقت اظہار شان و شوکت کہیں نظر نہیں آتا۔ اور یہ سب کچھ یقیناً ہوتا اگر یہ جنگیں خود غرضی پر مبنی مفادات کی خاطر لڑی گئی ہوتیں۔ اپنی حکومت و قوت کے عروج کے دنوں میں بھی ان کے ظاہر و باطن کی سادگی کا وہی عالم تھا جو ابتدائی اور پریشان کن حالت کے ایام میں تھا۔ اس عالم میں کہ جب وہ ایران کے کسریٰ (اس وقت کی سپر پاور) کے مقابلے کی قوت تھے، وہ اس بات پہ ناراض ہوتے، اگر کوئی کمرے میں ان کی آمد پر ان کیلئے غیر معمولی قسم کا استقبال کرتا''۔

نواب ڈفرن (Marquis of Dufferin):

نواب آف ڈفرن کہتا ہے:

''مسلمانوں کے سائنسی علوم، فنون اور ادب کا یورپ کے قرون وسطیٰ کی تاریکیوں سے نکل پانے میں بڑا کردار تھا''۔(Ibid)

جیمز اے مشنر (James A. Michener):

''محمد ﷺ وہ شخص تھے کہ جن پہ وحی اتری اور انہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی۔ وہ 571 سن عیسوی میں ایک ایسے عرب قبیلے میں پیدا ہوئے، جو بتوں کی پوجا کرتا تھا۔ وہ پیدائشی یتیم تھے، تبھی تو وہ ہمیشہ غریبوں، ضرورتمندوں، بیواؤں، یتیموں، غلاموں اور دوسرے پسے ہوئے طبقات سے انتہائی شفقت برتتے تھے۔ بیس برس کی عمر میں وہ ایک کامیاب تاجر بن چکے تھے اور جلد ہی آپ ایک امیر بیوہ خاتون کے تجارتی قافلوں کے سالار بن گئے۔ جب ان کی عمر پچیس برس ہوئی تو جس خاتون کے تجارتی قافلے وہ لیجایا کرتے تھے، اس نے ان کی خوبیوں سے متاثر ہو کر انہیں نکاح کا پیغام پہنچایا۔ حالانکہ محمد ﷺ کی عمر اس خاتون سے پندرہ برس کم تھی، انہوں نے اس خاتون سے شادی کر لی، اور جب تک وہ فوت نہیں ہوئیں، انہوں نے اور شادی نہ کی۔

محمد ﷺ ہر لحاظ سے ایک عملی آدمی تھے۔ جب ان کا پیارا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو سورج کو گرہن لگ گیا اور عوام میں یہ بات پھیل گئی کہ سورج گرہن دراصل ابراہیم کی وفات پہ اللہ تعالیٰ کا اظہار افسوس ہے۔ اس موقع پہ محمد ﷺ نے فرمایا کہ سورج گرہن اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور اسے کسی انسان کی پیدائش یا وفات سے جوڑنا فضول بات ہے

ایسی ہی ایک کوشش خود محمد ﷺ کی اپنی وفات کے موقع پہ بھی ہوئی، لوگوں نے جانا کہ وہ مر نہیں سکتے (گویا انہیں خدا جان لیا)، اس پر وہ شخص کہ جس نے ان کے بعد انتظامی امور سنبھالنے تھے، (حضرت ابوبکرؓ) نے مذہبی تاریخ کا شاندار ترین خطبہ دیا، کہنے لگے: ''اگر تم میں سے کوئی شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہوگئے، ہاں! اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو جان لو! کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا''۔(James A. Michener, "ISLAM: THE MISUNDERSTOOD RELIGION," in READER'S DIGEST (American edition), May 1955, pp. 68-70.)

انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا (Encyclopedia Britinica):

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ان کی امانت و دیانت کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''(تاریخ کے) ابتدائی ذخائر میں اس طرح کا مواد موجود ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ (محمد ﷺ) ایک امین اور راستباز آدمی تھے اور اپنے جیسے دیگر اچھے لوگ ان کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے''۔(vol.12)

مہاتما گاندھی (Mahatma Gandhi):

مہاتما گاندھی کے بقول:

''میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آج کی دنیا میں موجود کروڑوں لوگوں کے دلوں پر بلا شرکت غیرے حکومت کرنے والے شخص کی ذات کیسی ہے......(سیرت محمد ﷺ کا مطالعہ کرنے کے بعد) مجھے یقین کامل ہوگیا کہ یہ تلوار نہ تھی جس نے دنیا میں اسلام کے لئے جگہ بنائی۔ یہ تو محمد ﷺ کی کڑی سادگی، بے غرضی، قول و قرار کی انتہائی پختگی، اپنے ساتھیوں اور دوستوں سے شدید محبت،، بے باکی، بے خوفی اور اللہ اور اپنے مشن پہ کامل یقین و اعتماد تھا (جس نے دنیا میں اسلام کو پھیلا دیا''۔(Young India)

تھامس کارلائل (Thomas Carlyle):

تھامس کارلائل اپنی کتاب (Heroes and Hero Worship) میں اپنے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

'' کیسے ممکن تھا کہ ایک تنہا فرد (عرب کے) کٹے پھٹے قبائل اور خانہ بدوش بدوؤں کو محض دو دہائیوں میں دنیا کی طاقتور ترین اور مہذب ترین قوم بنا کے رکھ دے؟''۔

پروفیسر راما کرشنا راؤ(Prof Ramakarishna Rao):

پروفیسر راما کرشنا راؤ اپنی کتاب ("Muhammad, The Prophet of Islam,") میں رقمطراز ہیں:

''(محمدﷺ) انسانی زندگی کیلئے کامل ترین نمونہ ہیں''۔

ازواج مطہرات

اپنی پہلی بیوی، سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کی وفات کے بعد نبیﷺ نے گیارہ عورتوں سے نکاح فرمایا، ان گیارہ میں سے صرف سیدہ عائشہؓ ہی کنواری تھیں، باقی تمام ازواج مطہرات شوہر دیدہ تھیں۔ آپﷺ کی بیویوں میں سے چھ قبیلہ قریش سے، پانچ مختلف عربی قبائل سے اور ایک مصر کے قبطی عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی قبطی خاتون جناب سیدہ ماریہؓ کے بطن سے نبی ﷺ کے فرزند اطہر جناب ابراہیمؑ پیدا ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی قبطی غلام ہو تو اس سے نرمی کا رویہ روا رکھو کیونکہ ہمارے اور انکے درمیان ایک رشتہ اور عہد ہے﴾ (مسند عبدالرزاق، 19325)۔

نبی ﷺ نے ان خواتین سے مختلف اوقات میں مختلف وجوہ کی بنیاد پہ نکاح فرمایا، ان میں سے چند ایک پہ ہم ذیل میں مختصراً بحث کریں گے۔

☆مذہبی و شرعی مقصد:

نبیﷺ نے زینبؓ بنت جحش، جو حضور نبی اکرمﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، کا نکاح اپنے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ سے کیا تھا۔لیکن دونوں میں نباہ نہیں ہو رہا تھا اور حضرت زیدؓ اب زینبؓ کو طلاق دینے پہ آمادہ ہو رہے تھے۔ دور جہالت میں عربوں میں ایک روایت تھی کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی (مطلقہ یا بیوہ) سے شادی کرنا غلط سمجھتے تھے اور ایسا کرنے سے باقاعدہ منع کرتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں منہ بولا بیٹا ہر لحاظ سے حقیقی بیٹے کی سی حیثیت ہی رکھتا تھا، اس لئے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح صحیح نہیں، ویسے ہی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ جب جناب زیدؓ سیدہ زینبؓ کو طلاق دیں تو خود محمدﷺ ان سے نکاح کر کے عرب کی اس قدیم جاہلی رسم کا خاتمہ فرمائیں۔ خود نبیﷺ اس اندیشے سے کہ اس پر اہل عرب سخت نکتہ چینیاں کریں گے، اس آزمائش میں پڑنے سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے آپﷺ نے کوشش فرمائی کہ زیدؓ جناب زینبؓ کو طلاق نہ دیں۔ لیکن یہ اللہ کا امر تھا اور اسے پورا ہو کر رہنا تھا، سو نبی ﷺ نے زینبؓ سے نکاح کیا، جبکہ وہ ان کے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ کی سابقہ بیوی تھیں۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اس

خاتون سے نکاح دراصل اس رسم جاہلی کوختم کرنے کیلئے فرمایا تھا، جیسا کہ خود اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿اے نبی ﷺ! یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے، جس پر (زیدؓ) اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ ''اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر'' اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے، جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیئے تھا﴾ (سورۃ الاحزاب، 37)۔

سیاسی وجوہات، دعوت اسلام کا پھیلاؤ اور عرب قبائل کی حمایت کا حصول:

نبی ﷺ نے جزیرۃ العرب کے طاقتور ترین اور کثیر التعداد قبائل کی خواتین سے نکاح کئے۔ نبی ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ نبی ﷺ نے جناب عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا:

﴿اگر وہ تمہاری بات مان لیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) تو قبیلے کے سردار کی صاحبزادی سے نکاح کر لینا﴾

ڈاکٹر کاہن (Dr. Cahan) کہتے ہیں:

''ان کی (نبی ﷺ) زندگی کے کچھ پہلو ایسے ہیں، جو آپ کو ذہنی طور پہ کچھ پریشان کرتے ہیں، لیکن اس کی وجہ محض دور جدید کی ذہنیت ہے۔ ان پر تنقید کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سیدہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد نو شادیاں کیں اور یہ شادیاں محض دنیاوی عیش کے لئے تھیں۔ لیکن یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور تصدیق شدہ حقائق پہ مبنی ہے کہ ان شادیوں میں سے زیادہ تر شادیاں سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے کی گئی تھیں، تا کہ بعض قبائل اور سرداروں کی وفاداری کو یقینی بنائی جا سکے''۔

معاشرتی وجوہات:

نبی ﷺ نے اپنے بعض ان ساتھیوں کی بیواؤں سے بھی شادیاں کیں، جو دعوت اسلام یا جہاد کے دوران شہید ہوئے۔ محمد ﷺ نے ان خواتین سے نکاح کیا، باوجود اس کے کہ وہ خواتین عمر میں ان سے بڑی تھیں۔ اور یہ شادیاں آپ ﷺ راہ خدا میں قربان ہونے والے ساتھیوں اور ان کی بیواؤں کو عزت بخشنے کیلئے فرمائی تھیں۔

ویکسیا ویگلیری (Veccia Vaglieri) اپنی کتاب ''In Defence of Islam'' میں لکھتی ہیں:

''اپنی بھرپور جوانی کے ایام، جبکہ انسان کی جنسی خواہشات اپنے عروج پہ ہوتی ہیں، محمد ﷺ نے صرف ایک عورت کے ساتھ گزارے۔ حالانکہ جس معاشرے میں وہ رہتے تھے، وہاں ایک سے زیادہ شادیاں بالکل عام اور معمول کی بات تھی اور طلاق بھی بالکل آسان تھی۔ (یعنی کوئی معاشرتی روک ٹوک ہرگز نہ تھی، بالکل وہاں کا معمول ہی ایک سے زیادہ شادیوں کا تھا) لیکن آپ ﷺ نے اپنی جوانی کا

تقریباً تمام عرصہ اپنے سے بڑی عمر کی ایک خاتون کے ساتھ گزار دیا۔ وہ تقریباً پچیس سال تک ایک وفادار شوہر کی طرح اس پاکباز خاتون کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ اور دوسرا نکاح آپ ﷺ نے اس کاتون کی وفات کے بعد ہی کیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر پچاس برس تھی۔ (یعنی پچیس سال سے پچاس سال کی بھرپور جوانی کا عرصہ ایک ہی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی گزار دیا، وہ خاتون بھی کنواری نہ تھیں اور عمر میں بھی بڑی تھیں)۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جتنی بھی شادیاں کیں، وہ سب کی سب کسی نہ کسی معاشرتی یا سیاسی مقصد کے مدنظر کیں، مثلاً کسی پاکباز خاتون کی عزت افزائی یا کسی خاص قبیلے کی عورت سے نکاح تاکہ ان میں اسلام پھیلے اور وہ اس سے وفادار بھی رہیں۔ عائشہؓ کے سوا محمد ﷺ نے جتنی خواتین سے نکاح فرمایا، نہ تو وہ کنواری تھیں، نہ ہی نوعمر اور (غیر معمولی) خوبصورت تھیں۔ سو یہ دعوٰی کہ محمد ﷺ ایک خواہش پرست آدمی تھے، کیسے درست مانا جاسکتا ہے؟ اور پھر وہ انسان تھے، خدا نہیں، ہوسکتا ہے کہ بیٹے کی خواہش نے انہیں مزید شادیوں کیلئے مجبور کیا ہو کیونکہ ان کی پہلی بیوی بیوی خدیجہؓ سے ان کے جتنے بچے تھے، وہ وفات پاگئے تھے۔ وہ اپنی سب بیویوں سے یکساں اور مبنی برانصاف سلوک روا رکھتے تھے۔ انہوں نے پہلے نبیوں مثلاً موسیٰؑ کی سنت پہ عمل کیا، جیسا کہ ان کے متعدد شادیوں پہ کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا (اور نہ ہی اب کرتا ہے)۔ کہیں محمد ﷺ کی متعدد شادیوں پہ اعتراض کرنے کی وجہ یہ تو نہیں کہ ان کی زندگی کے متعلق تو ہمیں چھوٹی سے چھوٹی معلومات تک میسر ہیں، جبکہ سابقہ انبیاء کی زندگیوں کے متعلق ہم بہت کم جانتے ہیں''۔

تھامس کارلائل اپنی کتاب ''Heroes, Hero-worship and the Heroic in History'' میں لکھتا ہے:

''خود محمد ﷺ کے بارے میں تو یہ بات حتمی ہے کہ وہ ایک شہوت پرست آدمی ہرگز نہ تھے۔ ہم ایک عظیم غلطی پر ہونگے اگر ہم محمد ﷺ کو ایک عام شہوت پرست تصور کریں گے، جس کی ساری جدوجہد کا مرکز محض اور محض اس کی شہوت یا خوشیاں ہوتی ہیں۔ نہیں! ان کی جدوجہد ہرگز کسی بھی کسی قسم کی لطف و شہوت رانی کیلئے نہ تھیں''۔

محمد ﷺ کی نبوت کے نقلی دلائل

قرآن مجید سے دلائل:

1۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے﴾ (سورۃ الاحزاب، 40)۔

اور یہ بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے جتنے بھی بیٹے تھے، وہ ابتدائی عمر میں ہی وفات پاگئے تھے۔ اور یہ پیشگوئی نبی ﷺ کی زندگی میں ہی کی جارہی ہے، جبکہ آپ ﷺ کی بیویاں بھی موجود تھیں اور اولاد کا ہونا ممکنات میں سے تھا۔ لیکن اللہ سے بڑھ کے کس کی بات سچی

ہوگی، کہ آپ ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، اس طرح آپ ﷺ کے متعلق قرآن مجید کی یہ پیشگوئی صحیح ثابت ہوتی ہے، پس جب آیت کا پہلا حصہ سچ ثابت ہوا تو دوسرا یعنی 'رسول اور آخری نبی' ہونا بھی یقینی ہوا۔

2۔ جناب عیسیٰؑ نے انجیل مقدس میں محمد ﷺ کی خوشخبری سنائی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اور یاد کرو عیسیٰؑ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا"، مگر جب وہ (محمد ﷺ) ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لیکر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے﴾ (سورۃ الصّف، 6)۔

مندرجہ بالا آیت قرآنی اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی صداقت کی بین اور پختہ دلیل ہے، اب رہا یہ مسئلہ کہ عیسائیوں کی موجودہ مذہبی کتب یعنی اناجیل اربعہ میں لفظ 'احمد' کے ساتھ کہاں یہ پیشگوئی موجود ہے، تو یاد رہے کہ اس سلسلہ میں انتہائی مفصل اور شاندار بحث سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تفسیر 'تفہیم القرآن' کی جلد پنجم میں اسی آیت کی تفسیر میں کی ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم اسے یہاں نقل نہیں کر رہے، البتہ متلاشیان حق کیلئے اس کتاب کی تلاش اور متعلقہ اوراق کا مطالعہ چنداں مشکل نہیں اور انشاء اللہ انتہائی مفید بھی ثابت ہوگا۔

احادیث سے دلائل:

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

﴿میری اور دوسرے پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکمل گھر بنایا اور بہت اچھا بنایا، مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، تو لوگ اس گھر میں جانے لگے اور تعجب کرنے لگے کہ یہ اینٹ کی جگہ اگر خالی نہ ہوتی تو کیسا اچھا مکمل گھر ہوتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: 'وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں﴾ (بخاری، 3342)۔

سابقہ آسمانی کتابوں سے ثبوت:

عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں: میں عبداللہؓ بن عمرو العاص سے ملا اور ان سے سوال کیا:

"مجھے بتلایئے کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کا ذکر تورات میں کیسے ہوا؟ (سوال کے جواب میں) عبداللہؓ بن عمرو العاص نے فرمایا: 'نبی ﷺ کا ذکر جیسا قرآن مجید میں ہوا ہے، تقریباً ویسا ہی ذکر تورات میں بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: "ہم نے (اللہ تعالیٰ) تمہیں (محمد ﷺ) گواہ (انسانیت پر) بنا کر بھیجا ہے، دوسروں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور لوگوں کو بچانے والا (جہنم سے) بنا کر بھیجا ہے"۔ (مزید برآں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) تم میرے بندے اور رسول ہو، میں تمہیں متوکل کہتا ہوں، نہ تو تم بد اخلاق ہو نہ تند خو اور نہ ہی تم اونچی آواز میں شور مچانے والے ہو۔ تم برائی کا بدلہ برائی کی شکل میں نہیں دیتے، بلکہ تم تو معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے

ہو۔ میں (اللہ) اس وقت تک اس کی روح قبض نہیں کروں گا، جب تک (اس کے ذریعہ) میں قوموں کو ہدایت نہ دے لوں اور وہ یہ کلمہ نہ پکار اٹھیں: 'ایک اللہ کے سوا کوئی الہ عبادت کے لائق نہیں' اور وہ سچائی کو صاف صاف نہ دیکھ لیں گے''۔

عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں: 'میں کعب ربی (ربی یہودی عالم کو کہتے ہیں) سے ملا اور ان سے سوال کیا کہ کیا عبداللہؓ نے مجھے صحیح بتلایا ہے، تو کعب نے ترجمہ کے معمولی اختلاف کے سوا باقی وہی خوبیاں تذکرہ کیں، جو عبداللہؓ نے بیان کی تھیں۔' (بیہقی، 13079)۔

عبدالاحد داؤد کہتے ہیں: 'لیکن میں نے تو نبی ﷺ کی نبوت کے ثبوت میں جو دلائل مرتب کیے ہیں، ان کی بنیاد انجیل کے ان حصوں پہ ہے، جن میں کوئی لسانی جھگڑا نہیں۔ میں کسی لاطینی، یونانی یا آرامی زبان کی انجیل کا تذکرہ نہیں کروں گا، کیونکہ وہ بے سود ہوگا۔ میں تو صرف (British and Foreign Bible Society) کی طبع شدہ تازہ ترین Bible کا ایک ٹکڑا ہی آپ کا سامنے پیش کروں گا، اس میں موسیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا:

''میں ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیری مانند ایک نبی برپا کردوں گا؛ اور میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔
(تورات، Book of Deuteronomy,chapter xviii, verse 18)

بائبل کی ان آیات سے ہم اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ یہودی لوگ جناب موسیٰؑ کی اس پیشگوئی کے مطابق ایک نبی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، جس میں مندرجہ ذیل تین خوبیاں جمع ہوں:

(۱) وہ نبی موسیٰؑ کی مانند ہوگا، جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) وہ اسرائیلیوں کے بھائیوں میں مبعوث ہوگا۔

(۳) اللہ تعالیٰ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا (یعنی وہ وہی کہے گا، جو اللہ اس سے کہلوائے گا)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ موسیٰؑ کے بعد دو ہی پیغمبر ہوئے ہیں، جناب عیسیٰؑ اور جناب محمد ﷺ۔ ان دونوں میں سے کون اس پیش گوئی پہ پورا اترتا ہے، تو غور فرمایئے کہ کیا موسیٰؑ اور جناب محمد ﷺ کے مابین کتنی مماثلت موجود ہے، جبکہ عیسیٰؑ کسی بھی طرح موسیٰؑ سے مماثلت نہیں رکھتے۔ جناب موسیٰؑ اور جناب محمد ﷺ دونوں صاحب شریعت نبی تھے، عیسیٰؑ کا معاملہ بالکل مختلف ہے، وہ موسوی شریعت ہی کے پیروکار تھے۔ موسیٰؑ اور محمد ﷺ دونوں نے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور معجزانہ طور پہ محفوظ رہے، جبکہ عیسیٰؑ کا معاملہ بالکل الٹ ہے۔ جناب موسیٰؑ اور جناب محمد ﷺ دونوں نے اپنے اپنے قتل کی سازش کے بعد اپنے اپنے وطن سے ہجرت کی، دونوں نبی اور سیاستدان کی حیثیت سے اپنے ہی عہد میں تسلیم بھی کیے گئے۔ دونوں کی پیدائش، شادی، موت سب کچھ فطری تھا۔ جبکہ عیسیٰؑ کا ان معاملات میں سب کچھ غیر فطری تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اگر یہ الفاظ جناب محمد ﷺ پہ صادق نہیں اترتے، تو پھر ابھی تک یہ پیش گوئی پوری ہی نہیں ہوئی۔ جناب عیسیٰؑ نے کبھی خود کو اس مزعومہ نبی کے طور پہ پیش بھی نہیں کیا۔ حتٰی کہ جناب عیسیٰؑ کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب تھا، وہ بھی اس پیشگوئی کو جناب عیسیٰؑ کی بعثت ثانی پہ منطبق کرتے تھے۔ کم از کم اب تک تو یہ بات کسی نزاع کے بغیر تسلیم کی جاتی ہے کہ عیسیٰؑ کی بعثت اول اس پیشگوئی پہ پوری نہیں اترتی اور ان کی بعثت ثانی کا اس

پہ انطباق کرنا بہت مشکل ہے۔عیسیٰؑ کی پیروی کرنے والے church کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ ایک قاضی (judge) کی حیثیت سے تشریف لائیں گے نہ کہ ایک صاحب شریعت (law giver) نبی کی حیثیت سے، جبکہ اس پیشگوئی میں جس نبی کا ذکر ہے اسے تو اپنے دائیں ہاتھ میں 'روشن شریعت' (fiery law) کے ساتھ آنا تھا۔

اس مذکورہ نبی موعود کے متعلق اگر تحقیق کی جائے تو اس ضمن میں جناب موسیٰؑ کی وہ پیشگوئی بڑی واضح ہے کہ جس میں خدا کے نور کا مکہ کے پہاڑ 'فاران' سے چمکنے کا ذکر ہے۔جیسا کہ اس میں ذکر ہے:

﴿خداوند سینا سے آیا

اور سعیر سے اپنی قوم پہ طلوع ہوا

وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا

اس کے ساتھ ہزاروں پاک لوگ ہونگے

اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش (روشن شریعت) پھوٹ نکلی﴾ (تورات، استثناء، باب xxxiii، 2)۔

ان الفاظ میں خدا کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے۔جو سینا سے آتا ہے، پھر سعیر سے بلند ہوتا ہے اور فاران کی چوٹیوں پہ پہنچ کر پوری آب وتاب سے چمکتا ہے، جہاں اس کے ساتھ دس ہزار پاکباز لوگ ہوں اور اس کے داہنے ہاتھ میں روشن شریعت۔اور یہ بات بھی سورج ہی کی طرح روشن اور واضح ہے کہ عیسیٰؑ سمیت کسی بھی اسرائیلی کا فاران سے دور نزدیک کا کوئی تعلق نہیں۔تورات کی کتاب تکوین (۲۱:۲۱) میں حضرت اسماعیلؑ کے تذکرے میں موجود ہے کہ ''اور وہ فاران کے بیابان میں رہا کرتا تھا''۔وہیں انہوں نے ایک مصری خاتون سے شادی بھی کی، جس سے ان کا پہلوٹھا بیٹا قیدار پیدا ہوا، جس سے عربوں کی نسل چلی، اور تب سے اب تک وہی لوگ فاران کے بیابان کے رہائشی چلے آرہے ہیں۔

جناب محمدﷺ کہ جن کا قیدار کے واسطے سے اسماعیل (برادر اسحاقؑ، اور یاد رہے انہی اسحاقؑ کو اسرائیل کہا جاتا ہے) کی اولاد ہونا بھی ظاہر ہے، پھر فاران کے بیابان یعنی مکہ ہی میں رہتے ہوئے نبوت کا اعلان کرنا بھی سب کو معلوم ہے اور پھر (فتح مکہ کے موقع پہ) دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں ظہور بھی سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے، اور (ان کی امت کے پاس ان کی) روشن شریعت کا ہونا بھی سب کو معلوم ہے، تو کیا اب بھی اہل علم کو یہ نظر نہیں آتا کہ اس پیش گوئی کا حرف حرف محمدﷺ کی ذات گرامی پہ پورا اترتا ہے۔

(Habakkuk) میں موجود بشارت کے الفاظ بھی قابل غور ہیں:

''اس (فاران سے نمودار ہونے والے) کی شان سے آسمان بھر گئے اور زمین اس کی حمد سے''۔

لفظ 'حمد' پہ غور کیجئے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ لفظ 'محمد' کا لغوی معنیٰ 'تعریف کیا گیا' ہے۔

عربوں کے علاوہ فاران کے بیابان کے رہائشیوں کے لئے ایک اور خوش خبری بھی دی گئی ہے:

''بیابان اور اس کی بستیاں۔قیدار کے گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے

للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔ خداوند ایک بہادر آدمی کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ مارے گا، ہاں وہ للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا''۔ (بائبل، کتاب یسعیاہ، باب ۴۲، آیت ۱۱،۱۲)۔

اسی سے متعلق و مربوط دو اور پیش گوئیاں بھی ایسی ہیں، جن میں قیدار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی کچھ یوں ہے:

''اٹھ منور ہو کیونکہ تیرا نور آ گیا اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور امتوں پر سیاہی، لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئینگی اور بادشاہ تیرے تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف دیکھ۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں اور تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائیں گے۔ تب تو دیکھے گی اور منور ہوگی، ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھریگی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہونگی۔ وہ سب سبا سے آئینگے اور سونا اور لوبان لائینگے اور خداوند کی حمد کا اعلان کرینگے۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہونگی۔ نابت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہونگیوہ میرے مذبح پر مقبول ہونگے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا''۔ (بائبل، یسعیاہ، باب 60، آیت 7-1)

دوسری پیش گوئی پھر کتاب یسعیاہ ہی میں ہے:

''عرب کی بابت بار نبوت:...... اے ددانیوں کے قافلو تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ تیما کی سرزمین کے باشندے روٹی لیکر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ اور تیر اندازوں کی تعداد کا بقیہ یعنی بنی قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہونگے''۔ (یسعیاہ، باب ۲۱، ۱۱ تا ۱۷)۔

یسعیاہ کی ان دونوں پیش گوئیوں کو استثناء کی پیش گوئی کی روشنی میں پڑھیئے، جس میں خدا کے فاران سے نمودار ہونے کا ذکر ہے۔

ذرا غور فرمایئے! اگر اسماعیلؑ ہی فاران کے اولین باسی تھے، جہاں ان کا بیٹا 'قیدار' پیدا ہوا، جس سے کہ عربوں کی نسل چلی۔ اور اگر قیدار کے بیٹوں پر آسمانی وحی اترنا تھی۔ اگر قیدار کے گروہ کو ایک خدا داد قربان گاہ پہ حاضر ہونا تھا تا کہ ''میری شوکت کے گھر'' کی شان و شوکت کو بڑھایا جا سکے، کہ جہاں چند صدیوں تک تاریکیوں (جہالت) کو چھا جانا تھا، تب اس سرزمین کو خدا کی طرف سے نور حاصل ہونا تھا۔ اور اس کے بعد اگر قیدار کی ساری حشمت کو جاتے رہنا تھا اور بنی قیدار کے بہادر بھی تھوڑے سے ہوں اور قیدار کی قوم کے سرداروں کو ایک برس کے اندر اندر سرنگوں ہونا تھا اور انہیں تلواروں اور کمانوں سے بھاگنا تھا۔ تو پھر جان لیجئے کہ یہ مقدس ذات صرف اور صرف جناب محمد ﷺ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہی 'قیدار' کے توسط سے جناب اسماعیل' کی اولاد ہیں، جو فاران کے رہائشی تھے۔

اب مندرجہ بالا پیش گوئی کے مطابق ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں جناب محمد ﷺ ہی وہ واحد نبی ہیں جن پہ وحی نازل ہوئی۔ انہی کے توسط سے اللہ تعالیٰ کا نور فاران کی چوٹیوں پہ چمکا۔ اور جزیرۃ العرب میں مکہ ہی وہ واحد مقام ہے جہاں اللہ کا

گھر یعنی خانہ کعبہ موجود تھا، اور محمد ﷺ کی بعثت سے قبل ہی موجود تھا۔ یہیں قیدار کی اولاد یعنی عرب لوگ اپنی قربانیاں لے کر پہنچا کرتے تھے کیونکہ یہی ان کی قربان گاہ تھی۔ یہیں جناب محمد ﷺ پہ ظلم و ستم ہوئے اور یہیں سے بنی قیدار کے سرداروں یعنی مکہ کے قریشی زعماء نے جناب محمد ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے پہ مجبور کر دیا۔ اور اس حالت میں آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا کہ آپ ﷺ پیاسے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے بے نیام تلواریں اور کھنچی ہوئی کمانیں تھیں۔ اور اس سفر یعنی ہجرت مدینہ کے سفر کے کامل ایک برس بعد انہی بنی قیدار کے سرداروں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے بے سروسامان ساتھیوں کا مقابلہ 'بدر' کے میدان میں ہوا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مسلمانوں اور کفار کے مابین پہلا معرکہ حق و باطل ہوا۔ اور پھر اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوا، یہی کہ مکہ کا لشکر (بنی قیدار) بری طرح شکست کھا کر بھاگا، اس کے ستر افراد مقتول ہوئے اور ستر ماخوز۔ ان کی ساری کی ساری حشمت جاتی رہی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی جناب محمد ﷺ کو فتح و نصرت سے نوازا۔ اگر جناب محمد ﷺ کو ان تمام پیش گوئیوں کا مصداق نہ گردانا جائے تو پھر ابھی تک یہ پیش گوئیاں پوری ہی نہیں ہوئیں، اور نہ کبھی ہوں گی۔ یسعیاہ کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ 'میری شوکت کا گھر' ان تمام مندرجہ بالا حالات میں مکہ معظّمہ کا 'خانہ کعبہ' ہے، نہ کہ 'عیسائی چرچ'، جیسا کہ عیسائی شارحین اس کی شرح کرتے ہیں۔ آیت نمبر ے میں قیدار کے جس گروہ کا ذکر ہوا ہے، وہ کبھی church of christ نہیں گئے، اور یہ امر بھی یقینی اور حقیقی ہے کہ بنی قیدار کی بستیوں کے رہائشی (مکہ و اطراف مکہ کے لوگ) ہی اس دنیا میں واحد گروہ ہیں، جہاں church of christ کا کوئی نفوذ ممکن نہیں ہو سکا۔

اب آیئے کتاب استثناء کی xxx3 آیت میں کی گئی پیش گوئی کی طرف، جس میں مذکور ہے کہ 'وہ (خدا) کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور اس کے ساتھ دس ہزار پاکباز لوگوں کا جتھہ بھی آیا۔ آپ تاریخ کی تمام کتب کو کھنگال لیجئے، آپ کو ایک بھی واقعہ نظر نہیں آئے گا کہ کبھی مکہ کو فتح کیا گیا ہو، سوائے نبی مکرم جناب محمد ﷺ کی فتح مکہ کے۔ اور اس امر کی تصدیق تو آپ تاریخ کی کتابوں میں آسانی سے کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مکہ معظم (میری شوکت کے گھر) میں واپس تشریف لائے۔ وہ نبی ایک روشن شریعت دنیا کو دے گا، جو سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دے گی۔ جناب عیسیٰؑ کے دہن مبارک سے جس ہستی کے متعلق 'غم خوار...... صداقت کی روح' کے الفاظ نکلے تھے، وہ جناب محمد ﷺ ہی ہیں۔ مندرجہ بالا الفاظ کو 'روح حق' (Holy Ghost) پہ منطبق نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ عیسائی الٰہیات کا دعویٰ ہے۔

جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

''یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے کہ میں چلا جاؤں...... کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو 'غم خوار' تمہارے پاس نہیں آئے گا، البتہ اگر میں جاؤں گا تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔

مندرجہ بالا الفاظ اپنے مطلب میں بالکل واضح ہیں کہ اس 'غم خوار' کو جناب عیسیٰؑ کے تشریف لے جانے کے بعد آنا تھا، اور جس وقت جناب عیسیٰؑ یہ کلام فرما رہے تھے تو اس وقت یہ 'غم خوار' ان کے ساتھ نہ تھا۔ کیا ہم یہ کہنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ اگر اس 'غم خوار' کی آمد عیسیٰؑ کے

جانے کے ساتھ مشروط تھی، تو جناب عیسیٰ 'روح حق' سے محروم تھے۔ جیسا کہ موجودہ عیسائی الٰہیات کہتی ہے کہ وہ 'غم خوار' تو 'روح حق' تھا۔ پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود جناب عیسیٰؑ اس روح حق سے محروم تھے، کیونکہ وہ صاف فرما رہے ہیں کہ وہ میرے بعد آئے گا۔ علاوہ ازیں یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ جس انداز سے جناب عیسیٰؑ اس 'غم خوار' کے بارے میں بتلا رہے ہیں، اس طریق سے تو وہ ایک انسان ہی نظر آتا ہے، نہ کہ کوئی 'روح'، جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

''وہ خود سے کچھ نہ بولے گا، بلکہ وہ تو جو کچھ سنے گا (وحی کے ذریعہ) وہی کچھ کہے گا''۔

کیا ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں، کہ 'روح حق' اور خداوند دو الگ الگ وجود ہیں اور یہ کہ روح حق خدا کے پیغام کے علاوہ خود سے بھی کچھ 'ارشاد' فرماتی ہے۔ درحقیقت عیسیٰؑ کے الفاظ واضح طور پہ کسی نبی کی آمد کی نشاندہی اور پیش گوئی فرما رہے ہیں۔ عیسیٰؑ کے بھی لفظ 'صداقت کی روح' ہیں اور بعینہٖ قرآن مجید بھی پیغمبر محمد ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے:

''حالانکہ، وہ حق لے کر آیا، اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی''۔ (سورۃ الصٰفٰت، 37)۔

اب ذرا ذیل میں انجیل یوحنا کا اقتباس بھی ملاحظہ فرمایئے، جو اس بات پہ گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانہ میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ایک مسیح، دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاس کی آمد ثانی) اور تیسرے ''وہ نبی''۔ انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

''اور یوحنا (حضرت یحییٰؑ) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے ،تو اس نے اقرار کیا اور نہ انکار کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟...... اس نے کہا میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو...... انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو مسیح ہے، نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟''۔ (یوحنا، باب ۱۔ آیات نمبر ۱۹ تا ۲۵)۔

یہ الفاظ صریح دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت مسیح اور حضرت الیاس کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے، اور وہ حضرت یحییٰ نہ تھے۔ اُس نبی کی آمد کا عقیدہ بنی اسرائیل کے ہاں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ ''وہ نبی'' کہہ دینا گویا اس کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کافی تھا، یہ کہنے کی بھی ضرورت نہ تھی کہ ''جس کی خبر تورات میں دی گئی ہے''

اب انجیل یوحنا ہی میں پائی جانے والے دیگر پیش گوئیاں دیکھئے:

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔

''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا''۔

انجیل برناباس سے پیش گوئیاں:

اب آیئے اور چند انتہائی اہم اور معرکتہ الآرا پیش گوئیاں ملاحظہ فرمایئے، یہ پیش گوئیاں انجیل برناباس (Gospel of Barnabas) کے اندر موجود ہیں۔

جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

''خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھالے گا اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں۔تاہم جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی۔مگر جب محمد ﷺ، خدا کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کردی جائے گی''۔(انجیل برناباس، باب 112)۔

مزید فرماتے ہیں:

''آدمؑ جب اپنی پیدائش کے بعد کھڑے ہوئے، تو انہوں نے فضا میں ایک تحریر دیکھی، جو سورج کی مانند چمک رہی تھی۔تحریر کچھ یوں تھی: ''اللہ صرف ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں''۔یہ پڑھ کر پدرانہ شفقت کے ساتھ آدمؑ نے اس تحریر کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور فرمایا: ''مبارک ہو وہ دن جب تو زمین پہ جائے گا''۔ (انجیل برناباس، باب 39)۔

پارسی مذہب کی کتب میں نبی ﷺ کی پیش گوئی

پارسی مذہب کی کتاب دساتیر، خطوط ساسان اول میں بھی اللہ کے پیغمبر جناب محمد ﷺ کے متعلق پیش گوئی موجود ہے، ساسان اول دراصل زرتشت کے مذہب کا ایک نامی گرامی مصلح تھا۔اور مندرجہ بالا کتاب کے بارے میں یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ اس میں موجود باتیں زرتشت (غالباً ایک پیغمبر، واللہ اعلم) کی تعلیمات میں سے ہیں، جس کے ساتھ ساسان اول نے کہیں کہیں اپنے تشریحی اضافے بھی کیئے ہیں۔یاد رہے کہ زرتشت کے ماننے والوں کا دوسرا نام 'آتش پرست' بھی ہے۔ذیل میں ہم 'دساتیر' میں موجود جو پیش گوئی آپ کے سامنے پیش کررہے ہیں، وہ اس وقت کے متعلق ہے کہ جب ایرانی لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہوجائیں گے۔دساتیر کے جس نسخہ سے ہم یہ اصل متن اور اس کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کررہے ہیں، وہ ملا فیروز نامی ایک شخص نے ایرانی بادشاہ نصیر الدین قاچار کے عہد میں شائع کی تھی، اور یہ پہلوی زبان میں تھی۔اس نسخے کو اُس نے متعدد دوسرے نسخوں کے ساتھ موازنہ کرکے شائع کیا۔

Pictures\dasatir.JPG not found.

اردو ترجمہ:

''جب کہ ایرانی لوگ ایسے ویسے کام کرنے لگیں گے

تو عربوں میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا

جس کے پیروکاروں میں سے (ایسے لوگ ہونگے)

جو ایرانیوں کے تاج و تخت اور مذہب و سلطنت کو اکھاڑ پھینکیں گے

اور مغرور لوگ (ایرانی بادشاہ اور ان کے سپہ سالار و امراء) مغلوب کر لئے جائیں گے

وہ دیکھ لیں گے کہ بت خانوں اور آتش کدوں کی بجائے ابراہیمؑ کا بنایا ہوا گھر (خانہ کعبہ) قبلہ بنے گا

اور تب ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے اس خانہ خدا میں بت نہ ہوں گے

اور وہ لوگ (عربی شخص کے پیروکار) دنیا بھر کیلئے رحمت ہونگے

اور تب وہ آتش کدوں کے مرکز یعنی مدائن اور اس کے ملحقہ علاقوں پہ قابض ہو جائیں گے

طوس اور بلخ کے شہر اور دیگر مقامات مقدسہ (ایرانیوں کے) بھی ان کے زیر نگیں ہو جائیں گے

اور ان کا مذہبی پیشوا فصیح و بلیغ ہوگا

اور اس کی باتیں بڑی مؤثر ہوں گی'' ۔ (دساتیر، خطوط ساسان اول)

اب ذرا نظر دوڑایئے اسلامی تاریخ پہ اور آپ کو نظر آئے گا کہ جب ایرانی شہنشاہیت اپنے اخلاقی زوال کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی، تب رعب کی سرزمین پہ جناب محمد ﷺ پیدا ہوئے، اور پھر آپ کے ہی ساتھیوں نے ایران اور مندرجہ بالا پیش گوئی میں موجود تمام شہروں کو فتح کیا اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی میں دیا، اپنی سلطنت میں موجود غیر مسلموں کی بھی ویسی ہی حفاظت کی جیسی اپنے گھر بار، مال اسباب اور عزت کی۔ یوں وہ تمام انسانیت کیلئے رحمت بن گئے۔ تاریخ پہ نظر رکھنے والے اصحاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ مندرجہ بالا پیش گوئی عین مین جناب محمد ﷺ پہ پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ (Abdul Haq Vidyarthi, "Muhammad in World Scriptures," Adam Publishers, 1990)

محمد ﷺ کی نبوت کے عقلی دلائل

(۱) اللہ کے پیغمبر، جناب محمد ﷺ اُمّی تھے:

آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بسنے والے لوگ بھی انہی کی طرح ان پڑھ تھے۔ اس لئے کوئی شخص یہ دعوٰی نہیں کر سکتا، کہ قرآن مجید خود محمد ﷺ کی تصنیف تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اوراس سے پہلے آپ نے کوئی کتاب نہ پڑھی تھی ، نہ ہی آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔اگر ایسا ہوتا تو جھوٹے (کفار)شک میں پڑ جاتے﴾۔

(۲)قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج:

عربوں کوقرآن مجید کی مثل کوئی چیز لانے کا چیلنج کیا گیا تھا،لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔قرآن مجید کے حسن، بلاغت اور فصاحت نے عربوں کوگنگ کردیا۔قرآن مجید درحقیقت رہتی دنیا تک محمدﷺ کا معجزہ ہے۔اللہ کے نبیﷺ نے فرمایا:

﴿(مجھ سے پہلے)انبیاء کے معجزات ان کے وقت تک رہتے تھے۔میں جومعجزہ دیا گیا ہوں، وہ قرآن مجید ہے، جو دائمی ہے، پس میں امید کرتا ہوں کہ سب سے زیادہ پیروکار بھی میرے ہی ہونگے﴾(بخاری،4598)۔

حالانکہ عرب قوم اپنی فصاحت اور شاعری کی ندرت پہ بڑی نازاں اور مغرور تھی،اللہ رب العزت نے انہیں چیلنج کیا کہ قرآن مجید جیسی کوئی چیز لے آئیں،لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ،اور وہ یہ بھی نہ کر سکے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پہ اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں،تو اس کے مانند ایک صورت ہی بنالاؤ، اپنے سارے ہمنواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس کی چاہو مدد لے لو،اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ﴾(2:23)۔

اس کے بعد عربوں سے آگے بڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ تمام انسانیت کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لے آئیں،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔﴾(17:88)۔

(۳)شدید مشکلات کے باوجود دعوت اسلام کو جاری رکھنا:

نبیﷺ نے شدید ترین مخالفت اور مصائب کے باوجود اسلام کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔قوم آپﷺ کی شدید مخالف تھی اور انہیں قتل کرنے کے درپے تھی۔پھر بھی نبیﷺ نے صبر وتحمل اور استقامت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔اگر نعوذ باللہ وہ کوئی دھوکے باز تھے تو اپنی جان کو خطرے میں پڑتے دیکھ کر خاموش ہو رہتے اور دعوت اسلام کا سلسلہ روک دیتے،لیکن آپﷺ نے انتہائی مشکل حالت میں ظلم وستم سہتے ہوئے استقلال کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا،جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی دنیاوی مفاد کا خاطر یہ سارا سلسلہ انہوں نے بپا نہ کیا تھا۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ(W. Mongomery Watt) کہتا ہے:

’’(محمد ﷺ کا) اپنے عقائد کی خاطر ظلم و ستم سہنے پہ تیار ہو جانا، ان کے ساتھیوں کا ان پہ یقین رکھنا اور انہی سے رہنمائی حاصل کرنا، ان کے ساتھیوں کا اعلیٰ کردار و اخلاق اور بالآخران کی عظیم کامیابی، یہ تمام باتیں ان کی حقیقی و بنیادی سچائی اور راست بازی کی دلیل ہیں۔ اگر آپ یہ تصور کریں کہ محمد ﷺ ایک دغاباز تھے، تو اس سے مسائل حل ہونے کے بجائے مزید بگڑ جاتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ کوئی بھی عظیم تاریخی شخصیت ایسی نہیں جسے مغرب میں محمد ﷺ سے کم سراہا گیا ہو۔ (یعنی انہیں بہت کم سراہا گیا ہے)...... پس اگر ہم محمد ﷺ کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں نہ صرف ان کے مقصد کی سچائی اور ایمانداری کو تسلیم کرنا ہو گا، بلکہ ہمیں ان سابقہ غلط فہمیوں کو بھی دور کرنا ہو گا، جو ہمیں وراثت میں ملی ہیں (یعنی محمد ﷺ کی سیرت کے متعلق جو غلط معلومات اور قصے گھڑ گھڑ کے عوام کو سنائے گئے تھے، ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا)......

یہ بات ہمارے پیش نظر ہونا چاہئے کہ کسی بھی معاملہ میں فیصلہ کن ثبوت یقیناً ظاہر بازی کے مظہر سے مختلف اور اہم ہوتا ہے۔ اور اس (محمد ﷺ) معاملہ میں ہمیں ظاہر بازی تو مشکل سے ہی نظر آئے گی (یعنی محمد ﷺ کوئی ظاہر باز شخص نہ تھے، بلکہ واضح مقصد اور سچے مشن کے داعی تھے‘‘۔

(۴) دنیا کی محبت:

ہر انسان کو فطری طور پہ مال و زر اور دنیاوی حسن اچھا لگتا ہے اور انسان ہونے کے ناطے عین ممکن ہے کہ اگر کہیں وہ ان دونوں کے ذریعے آزمایا جائے تو وہ ڈگمگا بھی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لوگوں کے لئے مرغوبات نفس...... عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں...... بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چندروزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے﴾ (3:14)۔

انسان فطرتاً مندرجہ بالا چیزوں کا حریص واقع ہوا ہے۔ البتہ ان چیزوں کے حصول کیلئے مختلف لوگ مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ تمام اشیاء حلال و جائز ذرائع سے حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں اور ان اشیاء کے حصول کیلئے حرام و ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قریش (اہل مکہ) نے نبی ﷺ کو اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچانے سے منع کیا۔ انہوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ وہ انہیں قبیلہ قریش کا سردار ماننے کو تیار ہیں اور حسین ترین خاتون سے ان کا نکاح کرنے کو بھی تیار ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ بھی کہا کہ وہ انہیں سب سے زیادہ مالدار بنائے دیتے ہیں۔ یعنی قبیلہ کی سرداری، حسین ترین عورت سے شادی، مال و دولت کی بہتات، سب کچھ لے لیں، لیکن اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں، ان تمام پرکشش پیش کشوں کے جواب میں اللہ کے نبی ﷺ نے جواب دیا:

﴿اللہ کی قسم! اگر تم لوگ سورج میرے دائیں ہاتھ پہ لا رکھو اور چاند بائیں ہاتھ پہ، اور مجھ سے یہ چاہو کہ میں یہ چیز (اسلام کی دعوت) چھوڑ دوں تو تب بھی میں ایسا نہ کروں گا۔ حتّیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب نہ کر دے یا میں محمد ﷺ اس دین کی طرف لوگوں کو بلاتے بلاتے مارا

نہ جاؤں۔ ﴾ (ابن ہشام)۔

اگر محمد ﷺ ایک عام دنیادار مہم جو ہوتے تو وہ یہ سب کچھ ہرگز نہ چھوڑتے اور فوراً یہ پیش کش قبول کر لیتے، کیونکہ ایک انسان کو زیادہ سے زیادہ انہی چیزوں کی خواہش ہوسکتی ہے، عورت، دولت، اور حکومت، سو وہ تو تینوں لے کر پہنچے تھے۔ لیکن اللہ کے نبی ﷺ کا مقام اس سب سے بہت بلند تھا، وہ تو اس دعوت کے داعی تھے جو ایک لاکھ سے زائد انبیاء لیکر اس دنیا میں تشریف لائے۔

تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کہتا ہے:

''وہ لوگ (صحابہ ؓ کرام) انہیں پیغمبر کہتے تھے۔ آپ کا سوال ہے کہ اس کی ان کے پاس کیا دلیل تھی؟ تو سنیئے! وہ (محمد ﷺ) کسی تبرک کی طرح ان سے چھپ چھپ کے نہ رہتے تھے، بلکہ شب و روز ان کے سامنے رہتے تھے۔ اور رہتے بھی کیسے تھے؟ کبھی اپنے لباس میں پیوند لگا رہے ہیں، کبھی اپنا جوتا خود ہی گانٹھ رہے ہیں، کبھی جنگ میں دشمنوں سے نبرد آزما ہیں، کبھی ان کے درمیان بیٹھ کر مشاورت فرما رہے ہیں اور کبھی انتظامی و دیوانی احکام جاری فرما رہے ہیں۔ انہیں (صحابہ کرامؓ) اچھی طرح معلوم تھا کہ محمد ﷺ کیسے آدمی تھے، اس لئے انہیں حق حاصل تھا، کہ وہ انہیں جیسے چاہیں پکاریں۔ کسی ہیروں لگے تاج والے بادشاہ کی ایسے اطاعت نہ کی جاتی ہوگی جیسے اس پیوند لگے لباس پہنے شخص کی بات اس کے ساتھی مانتے تھے۔ اپنی زندگی کے (نبوت والے) تئیس سال، جو کہ انتہائی کڑے اور مصائب سے بھرپور تھے، ان میں ان (محمد ﷺ) کے کردار میں مجھے ایک حقیقی ہیرو نظر آتا ہے''۔ (Heroes, Hero-worship and the Heroic in History)

(۵) یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ کسی مملکت کی رعایا اور مال و دولت اس مملکت کے بادشاہ کی خدمت و تصرف کیلئے ہمہ وقت حاضر ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک محمد ﷺ کا معاملہ ہے، وہ جانتے تھے کہ یہ دنیا عارضی و فانی ہے۔

﴿ ابراہیم بن علقمہؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہؓ فرماتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ تنکوں کی بنی ہوئی ایک چٹائی پہ لیٹے، اس سے ان کے جسم مبارک پہ نشان پڑ گئے، میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں! ہمیں اپنے اس چٹائی کے اوپر بستر ڈالنے دیجئے، تاکہ آپ کے پہلو مبارک پہ اس کے نشان نہ پڑیں اور تکلیف نہ ہو!، اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے: ''میری مثال اس گھڑ سوار (مسافر) کی سی ہے، جس نے (دوران سفر) ایک درخت کے سائے میں (کچھ دیر) آرام کیا، پھر اپنے راستے پہ چل دیا'' ﴾ (ابن ماجہ، 4109)۔

﴿ نعمانؓ بن بشیر فرماتے ہیں: ''میں نے تمہارے پیغمبر ﷺ کو دیکھا، (ایک وقت ان پہ ایسا گزرا کہ) جب انہیں پیٹ بھرنے کو معمولی کھجوریں بھی نہ ملتی تھیں۔ ﴾ (بخاری، 2977)۔

﴿ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ کی رحلت تک کبھی تین دن متواتر ایسے نہیں گزرے، جب آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ ﴾ (بخاری، 5059)۔

حالانکہ تمام جزیرۃ العرب آپ ﷺ کے زیر نگیں تھا، آپ ﷺ لوگوں کے لئے تو منبع خیر تھے، لیکن خود اپنے آپ کو بعض اوقات پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہ ہوتا۔ آپ ﷺ کی پیاری بیوی سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی رکھی اور اس سے کھانے کے لئے کچھ خرید کر لائے۔ (بخاری، 2088)۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنی من پسند چیزیں حاصل نہ کر سکتے تھے؛ کیونکہ مال وزر اور دولت کے ڈھیر تو ان کی مسجد میں ان کے سامنے پڑے ہوتے تھے، لیکن وہ اس وقت تک اپنی جگہ نہ چھوڑتے، جب تک اس تمام کی تمام دولت کو غرباء و مساکین میں تقسیم نہ فرما لیتے۔ ان کے ساتھیوں میں بڑے بڑے امیر کبیر لوگ بھی تھے، اگر نبی ﷺ ان کو اشارہ بھی کرتے تو وہ آپ ﷺ کی خدمت کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیتے اور سب کچھ آپ ﷺ کے حکم پہ لٹا دیتے، لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی ایسا کرنا گوارا نہ کیا، اگر کبھی ان سے کچھ لیا بھی تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اور وہ بھی ترغیب کے ذریعہ، نہ کہ حکماً۔ نبی ﷺ نے اس دنیا کے مال وزر سے ہاتھ اٹھا لیا تھا کیونکہ وہ اس دنیا کی حقیقت جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿یہ دنیا اُس دنیا کے مقابلے میں ایسے ہی ہے، جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر کے پانی میں ڈبوئے، تو جتنا پانی اس کی انگلی کے ساتھ واپس باہر آتا ہے (ان چند قطروں کی مثال اِس دنیا کی مثال ہے اور باقی وسیع وعریض سمندر موت کے بعد والی زندگی کی مثال ہے)﴾ (مسلم، 2858)۔

(۶) حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ میں کئی ایسے واقعات پیش آئے، کہ جن کے بارے میں آپ ﷺ کو وضاحت پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی، لیکن چونکہ ان معاملات میں ابھی آپ ﷺ کو اللہ تعالی کی طرف سے وحی موصول نہ ہوئی تھی، اس وجہ سے آپ خاموش رہتے اور کچھ نہ کر سکتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف وحی آتی اور پھر آپ ﷺ اس معاملہ کی وضاحت فرماتے۔ اس طرح کے موقع پہ جب وحی اترنے میں کچھ دیر ہو جاتی تو آپ ﷺ پریشان بھی ہو جاتے۔ ایسا ہی ایک واقعہ 'افک' کا بھی پیش آیا کہ جب آپ ﷺ کی بیوی سیدہ عائشہؓ پہ نعوذ باللہ 'بد کرداری' کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس موقع پر ایک ماہ تک اللہ کی طرف سے وحی نازل نہ ہوئی، اور اس دوران آپ ﷺ کے اعداء و منافقین طرح طرح کی باتیں بھی کرتے رہے، لیکن آپ ﷺ خاموش رہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے کوئی پیغام نہ آیا تھے، بالآخر ایک ماہ کے بعد وحی نازل ہوئی، جس میں سیدہ عائشہؓ کی معصومیت کا اعلان تھا۔ اگر نبی ﷺ ایک دروغ گو داعی نبوت ہوتے تو فوراً سے پہلے اپنے آپ سے ہی کوئی آیت گھڑ کے یہ مسئلہ حل فرما دیتے، کون شخص ہے، کہ اس کے اختیار میں اس کی عزت کا معاملہ ہو اور وہ ایک لمحہ کی دیر بھی لگائے۔ لیکن یہاں تو معاملہ نبی ﷺ کے اختیار میں ہے ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں:

﴿وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا﴾ (سورۃ النجم، ۳)۔

(۷) اللہ کے نبی جناب محمد ﷺ کسی کو اپنی بے جا تعریف کرنے کو نہ کہتے تھے، بلکہ نبی ﷺ اس بات سے سخت نفرت فرماتے تھے کہ کوئی آپ ﷺ کی کسی بھی طرح خوشامد کرے۔ جناب انسؓ فرماتے ہیں:

﴿محمد ﷺ کے صحابہ ان سے بڑھ کے کسی سے محبت نہ رکھتے تھے۔اگر وہ انہیں (آتا ہوا) دیکھتے تو ان کے استقبال کو کھڑے نہ ہوتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ کے نبی ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں﴾ (ترمذی، 2754)۔

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) کہتا ہے:

''محمد ﷺ کی جنگی مہمات وفتوحات کے نتیجہ میں نہ تو جاہلانہ تفاخر کو فروغ ملا نہ ہی بے سود شان وشوکت کے اظہار ہوا، اور ایسا ضرور ہوتا اگر ان مہمات کے پیچھے خود غرضی پر مبنی مقاصد کارفرما ہوتے۔اپنی زندگی کے ان ایام میں کہ جب آپ ﷺ سیاسی لحاظ سے اپنے بام عروج پہ تھے، تب بھی آپ ﷺ کے آداب واطوار اور رہن سہن میں وہی سادگی تھی جو ابتدائی اور مشکل ایام میں تھی۔خسروانہ وشہنشاہی انداز اختیار کرنا تو دور کی بات، وہ اس بات پہ ناراض ہوتے تھے کہ اگر کوئی ان کے کمرے میں داخل ہونے پر غیر معمولی تعظیم کا اظہار کرتا''۔

باسورتھ سمتھ (Bosworth Smith) اپنی کتاب (MOHAMMAD AND MOHAMMADANISM,london) میں رقم طراز ہے:

''وہ بیک وقت پوپ (یعنی مذہبی رہنما) بھی تھے اور قیصر (یعنی سیاسی حکمران) بھی، لیکن ان میں پوپ والا تصنع بالکل نہ تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح ہزاروں پہ مشتمل مسلح حفاظتی دستہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔بغیر کسی مستقل فوج، مسلح محافظوں، محل اور مستقل ذرائع آمدن کے بغیر اگر کبھی کسی شخص نے حکومت کی ہے، اور حکومت بھی آسمانی قوانین کے مطابق، تو وہ صرف اور صرف محمد ﷺ کی ذات ہے''۔

(۸) قرآن مجید میں چند آیات ایسی بھی نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو کسی واقعہ کی وجہ سے تھوڑے سے سخت الفاظ میں متنبہ کیا گیا تھا۔مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اے نبی ﷺ! تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟ (کیا اس لئے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟......اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے﴾ (سورۃ التحریم، ۱)۔

اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کی وجہ سے شہد کھانے سے احتراز کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس بات پہ انہیں تنبیہ فرمائی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو خود پہ حرام فرما لیا تھا۔کان سا مذہبی پیشوا دنیا میں پایا جاتا ہے جو اپنے بارے میں ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ واستفسار والی بات چیت اپنی مذہبی کتاب میں درج کرے۔درحقیقت یہ تو انبیاء ہی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند اور اس کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اے نبی ﷺ! اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی؟ (جہاد سے پیچھے رہنے کی رخصت، تمہیں چاہئے تھا کہ خود رخصت نہ دیتے) تاکہ تم پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے﴾ (9:43)۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے جھوٹے

بہانے سن کر انہیں معاف کیوں کر دیا؟ نبی ﷺ نے تصدیق کئے بغیر منافقین کے جھوٹے عذر قبول کر کے انہیں معاف فرما دیا تھا۔

ایک اور مقام پہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے﴾ (الانفال، ٦٧)۔

ایک اور مقام پہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿(اے پیغمبر ﷺ!) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے، چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں﴾ (ال عمران، 128)۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اِس بات پر کہ وہ اندھا اُس (نبی ﷺ) کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو﴾ (عبس، 4-1)۔

مندرجہ بالا آیات کا قصہ درحقیقت کچھ یوں ہے کہ عبداللہؓ بن ام مکتوم نامی ایک نابینا نبی ﷺ کے پاس آیا، اُس وقت اللہ کے نبی ﷺ چند قریشی سرداروں سے بات چیت (غالباً دعوت اسلام کے سلسلہ میں) فرما رہے تھے، اس لئے اس نابینا کا اس وقت آنا آپ ﷺ کو ناگوار گزرا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو متنبہ فرمایا۔

اگر اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ دروغ گو داعی تھے تو مندرجہ بالا آیات کبھی قرآن مجید میں نہ ہوتیں۔

محمد مارماڈوک پکتھال (Muhammad Marmaduke Pickthall) کہتے ہیں:

''ایک دن اللہ کے نبی ﷺ قریش کے زعماء میں سے ایک کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اتنے میں ایک نابینا شخص آیا اور آپ ﷺ سے ایمان کے متعلق کوئی سوال کیا۔ نبی ﷺ اس مداخلت پہ کچھ خفا ہوئے اور چہرہ دوسری طرف فرما لیا۔ اس سورۃ یعنی سورۃ عبس میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بتایا کہ کسی شخص کی اہمیت اس کے ظاہر اور دنیاوی مرتبے کی بنیاد پہ نہیں ہوتی''۔ (The glorius Quran pg. 685)۔

(٩) نبی ﷺ کی نبوت کی حقانیت کا ایک بہت بڑا واضح، روشن اور بین ثبوت قرآن مجید کی ایک سو گیارھویں سورت یعنی سورۃ اللھب میں موجود ہے۔ اس سورت مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابولہب (محمد ﷺ کا حقیقی چچا اور اسلام کا بدترین دشمن) کی مذمت فرمائی اور جہنم کی 'خوشخبری' سنائی۔ یہ سورت مبارکہ دعوت اسلامی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اگر اللہ کے نبی ﷺ خود ساختہ اور دروغ گو ہوتے، تو کبھی یہ کھلی اور صریح پیش گوئی نہ فرماتے۔ کیونکہ جس ابولہب کے بارے میں یہ پیش گوئی کی جا رہی ہے، وہ زندہ تھا اور ممکن تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیتا۔ اسلام اور محمد ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے ابولہب اور پوری امت کفر کے پاس کتنا سنہری موقع تھا، وہ اسلام قبول کر لیتا اور نبی ﷺ کو جھوٹا ثابت کر

دیتا۔لیکن یہ محمد ﷺ کے منہ سے نکلی ہوئی بات درحقیقت اللہ رب العزت ہی کا کلام تھا، جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

ڈاکٹر گیری ملر (Doctor Gary Miller) کہتے ہیں:

''مثال کے طور پہ نبی ﷺ کا ایک چچا تھا، جس کا نام ابولہب تھا۔ یہ شخص اسلام کا اتنا سخت دشمن تھا کہ جہاں جہاں نبی ﷺ جاتے، وہیں یہ بھی پیچھے پیچھے چلا جاتا اور نبی ﷺ کی تکذیب کرتا۔ اگر ابولہب دیکھتا کہ نبی ﷺ کسی اجنبی کے پاس کھڑے بات چیت کررہے ہیں، تو وہ اس وقت تک ٹھہرا رہتا جب تک اللہ کے نبی ﷺ اس اجنبی کے پاس کھڑے رہتے۔ جب آپ ﷺ اس اجنبی کے پاس سے چلے جاتے تو وہ اس اجنبی کے پاس آتا اور اس سے کہتا: 'اُس (محمد ﷺ) نے تم سے کیا کہا ہے؟ اب جو کچھ نبی ﷺ نے اس سے کہا ہوتا، وہ اس کے بالکل الٹ بات کرتا، اگر نبی ﷺ نے سیاہ کہا ہوتا تو وہ اس چیز کو سفید بتلاتا، اگر آپ ﷺ اس وقت کو دن کہتے تو وہ اسے رات کہتا۔ وہ پورے یقین سے ہر اس بات کے بالکل الٹ بات کہتا، جو نبی ﷺ کہتے۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اسی ابولہب کی موت سے تقریباً دس سال قبل قرآن مجید میں ایک چھوٹی سی سورۃ نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں صاف صاف بیان کیا گیا تھا کہ ابولہب آگ (جہنم) میں جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوگا اور کبھی فلاح نہ پائے گا۔ اس سورت کے نزول کے دس سال بعد تک کہ جب وہ مرا، اس کے پاس سنہری موقع تھا کہ وہ کہتا: ''میں نے سنا ہے کہ محمد ﷺ پہ وحی اتری ہے کہ میں جہنم میں جاؤں گا اور کبھی اسلام قبول نہیں کروں گا۔ اچھا! تو میں اب اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ اب کہاں گئی تمہاری وحی؟''۔ لیکن ان دس سالوں میں اس نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ حالانکہ اس سے اسی رویے کی امید کی جاسکتی تھی کہ اسلام کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے وہ یہ کر گزرتا، کیونکہ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا آیا تھا۔ قصہ مختصر، محمد ﷺ نے اس سے فرمایا: 'تم مجھ سے نفرت کرتے ہو اور مجھے (یعنی اسلام) ختم کرنا چاہتے ہو۔ تو آؤ! اور مسلمان ہونے کا اقرار کرلو! یوں میں (دعوت اسلام) ختم ہوجاؤں گا (کیونکہ اس طرح قرآن مجید میں اللہ کی پیش گوئی غلط ثابت ہوجاتی)۔ آؤ! آؤ! لیکن ابولہب نے اسلام قبول نہ کیا۔ قارئین کرام! دس سال کا عرصہ! اور اس نے اس تمام عرصہ میں اسلام قبول نہ کیا، اور نہ ہی اس کے دل میں اسلام کے لئے نرم گوشہ تک پیدا ہوا۔ اگر محمد ﷺ اللہ کے سچے نبی نہ تھے اور ان تک ابوجہل کے کفر کی حالت ہی میں مرنے کی خبر اللہ تعالیٰ نے نہ پہنچائی تھی تو پھر اتنی یقینی پیش گوئی وہ خود کیسے کرسکتے تھے (کیونکہ ان کے علم میں تو یہ تھا کہ میں جو کہوں گا، ابولہب اس کا الٹ ہی کہے گا)۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک شخص کو دس سال کا عرصہ دیتے کہ جب چاہے اسلام قبول کر کے ان کی نبوت کا دعویٰ غلط ثابت کردیتا؟ اس کا واحد جواب یہ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے، کیونکہ اتنی یقینی اور خطرناک پیش گوئی صرف وہی کر سکتا ہے، جسے سو فیصد یقین ہو کہ یہ آسمانی وحی ہے''۔ (The Amazing Quran)

(۱۰) نبی ﷺ کو قرآن مجید کی ایک آیت میں 'محمد' کی بجائے 'احمد' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اور یاد کرو عیسیٰؑ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ ''اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا﴾۔ (صف، 6)۔

اگر وہ ایک سچے نبی نہ ہوتے تو کبھی ان کا نام 'احمد' قرآن مجید میں درج نہ ہوتا۔

(۱۱) دین اسلام آج بھی موجود ہے اور تمام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ ہزاروں لوگ اسلام کو دوسرے مذاہب پہ ترجیح دیتے ہوئے قبول کرتے ہیں۔ اس کے اعداد وشمار حیران کن ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ تیز رفتاری سے جس دین میں لوگ داخل ہو رہے ہیں، وہ اسلام ہے۔ حالانکہ داعیان اسلام اقتصادی طور پہ اس طرح مضبوط نہیں ہیں، جس طرح سے انہیں ہونا چاہئے۔ جبکہ اسلام مخالف قوتیں کھربوں ڈالر بجٹ کے ساتھ دن رات اپنے مشن (اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا) پہ جٹی ہوئی ہیں، لیکن الحمدللہ اسلام، کہ جو دین حق ہے، بڑھتا اور پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿بیشک ہم نے ہی ذکر (قرآن) نازل کیا، اور بیشک ہم ہی اس کی (کسی بھی طرح کی تحریف وتقلیل وتکثیر سے) حفاظت فرمانے والے ہیں﴾ (الحجر، ۹)۔

تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کہتا ہے:

''ایک غلط آدمی (جس کا متعلقہ کام سے سرے سے کوئی تعلق نہ ہو) کیسے ایک مذہب کی بنیاد رکھ سکتا ہے؟ ایک غلط آدمی ایک اینٹوں کا گھر کیوں نہیں بنا سکتا (یعنی اگر وہ اس کا بنانا جانتا نہ ہو)، اگر وہ نہ جانتا ہو کہ کیسے پکی اینٹوں کو استعمال کرے گا اور بھٹی کی خصوصیات کیا ہیں اور اسی طرح تعمیرات سے متعلق دیگر امور سے بھی واقف نہ ہو گا تو وہ ایک گھر تک نہ بنا پائے گا، اگر کچھ بنا بھی لے گا تو وہ محض کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہی ہو گا۔ اس طرح کا گھر یقیناً بارہ صدیوں تک قائم نہیں رہ سکتا کہ اس میں ایک سو اسی ملین لوگ (یہ ڈیٹا بہت پرانا ہے، اب تو اس دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، الحمدللہ) رہائش پذیر ہو سکیں، یہ گھر تو فوراً گر جائے گا۔ اس دنیا میں اپنی بات اور دعاوی کے قیام واستقرار کے لئے انسان کو قوانین فطرت اور اشیاء کی حقیقی ماہیت کے ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے، ورنہ فطرت فوراً پکار اٹھتی ہے......نہیں، نہیں...... بالکل نہیں...... آج کی دنیا میں یہ نمائشی لیڈر اور ان کی خودنمائی، یہ اطالوی کیمیا گر اور اسکی مانند کتنے ہی دوسرے شعبدہ باز عالمی رہنما اپنے اپنے عطائی پن اور نیم حکیمانہ طریقوں سے چند دنوں کے لئے خود کو نمایاں کر پاتے ہیں۔ ان سب کے خودنمائی اور رہنمائی کے طریقے بینک کے جعلی نوٹوں کی طرح ہیں، جنہیں یہ اپنے ہاتھوں سے گزار کر معتبر بناتے ہیں۔ دوسرے، جنہیں یہ بھی میسر نہیں، وہ اس کے حصول کے لئے سخت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ فطرت شعلوں کی صورت میں پھٹ اٹھتی ہے۔ انقلاب فرانس اور اسی نوع کے دوسرے واقعات درحقیقت اس تکلیف دہ سچائی کا اعلان کرتے ہیں کہ یہ نوٹ (عالمی رہنما) جعلی نوٹ ہیں۔ لیکن اس عظیم شخص (محمد ﷺ) کے متعلق میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ ان کا سچا ہونا بالکل یقینی ہے۔ اور یہ سچائی ان کی شخصیت میں بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہی صداقت ہی ان کے اندر موجود تھی''۔

(Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History)

نبی ﷺ کی صداقت کا ایک بہت بڑا مظہر ان پہ نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا خود ذمہ اٹھایا ہے، اور اس کی حفاظت کا کیا شاندار طریقہ جاری فرما دیا کہ نسل در نسل لاکھوں لوگ مسلمانوں میں ایسے موجود ہوتے ہیں، جن کے سینہ

میں یہ کتاب محفوظ ہوتی ہے۔اس کا ایک ایک لفظ، حرف، زیر، زبر، مد اور شوشہ تک عین اسی طرح محفوظ ہے، جیسے کہ آسمان سے بذریعہ جبرائیلؑ قلب محمدﷺ پہ نازل ہوا تھا۔قرآن مجید کو یاد کرنا، اس کی تلاوت کرنے، اس کی تعلیم حاصل کرنے اور کروانے کے مسلمان ہمیشہ سے انتہائی شائق رہے ہیں، کیونکہ اللہ کے نبی محمدﷺ نے فرمایا:

﴿تم میں سے بہترین وہ ہیں، جو قرآن سیکھیں اور سکھلائیں﴾ (بخاری، 4639)۔

کتنے ہی لوگوں نے قرآن مجید میں اضافہ یا کمی کی کوشش کی، لیکن وہ کبھی بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے، کیونکہ ان کی غلطیاں عموماً فوراً ہی پکڑ لی جاتی ہیں۔

جہاں تک شریعت اسلامی کے دوسرے ماخذ یعنی سنت نبویﷺ کا تعلق ہے تو قابل اعتماد متقی لوگوں نے اسے بھی محفوظ رکھا۔ان لوگوں یعنی محدثین نے اپنی پوری پوری زندگیاں اسی کام میں کھپادیں، کہ نبیﷺ کی روایات کو جمع کیا جائے اور ان کی چھان پھٹک کی جائے، تاکہ صحیح کو ضعیف سے الگ کیا جا سکے، حتّٰی کہ انہوں نے گھڑی ہوئی روایات کو بھی الگ کر دیا۔جو کوئی منصف مزاج آدمی علوم حدیث کی کتابوں پہ نظر دوڑائے گا، وہ جان لے گا کہ یہ کام واقعتاً ایسے ہی ہوا اور جو احادیث صحیح کہلاتی ہیں، وہ واقعتاً صحیح ہیں۔

مائیکل ہارٹ (Micheal Hart) کہتا ہے:

''محمدﷺ نے دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک کی بنیاد رکھی (ہمارا اس سلسلہ میں ایمان ہے کہ اسلام ایک الہامی مذہب ہے اور محمدﷺ اللہ کے نبی و رسول ضرور تھے، اس مذہب کے بانی نہیں) اور اسے مشتہر بھی کیا اور ایک مؤثر سیاسی رہنما بھی بن گئے۔آج تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کا اثر ویسا ہی سرایت پذیر اور طاقتور ہے''۔

(۱۲) نبیﷺ کے بیان کردہ اصولوں کی صداقت ہر دور، جگہ اور خطے کے انسانوں کیلئے مناسب اور عین موزوں ہیں۔اسلام کی عملی تطبیق نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ یہ درحقیقت الٰہی وحی ہی ہے، اور اس کے after effects بڑے واضح اور روشن ہیں۔مزید برآں یہ صرف محمدﷺ ہی کے لئے کیوں ہے کہ وہ پیغمبر نہیں ہو سکتے، جبکہ ان سے قبل کتنے ہی پیغمبر و رسول اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔اگر آپ کا اس سوال کے جواب میں یہ کہنا ہے کہ کوئی امر اس سے مانع نہیں......تو پھر ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ پھر آپ محمدﷺ کی نبوت کا ہی انکار کیوں کرتے ہیں اور ان سے پہلے آنے والے انبیاء کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں؟

(۱۳) کوئی انسان اس طرح کے قوانین تیار نہیں کر سکتا، جس طرح کے قوانین اسلام نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے جاری کئے ہیں اور بتلائے ہیں۔آپ جس شعبہ زندگی پہ نظر دوڑائیں، وہ لین دین کے معاملات ہوں، قانون کی شقیں ہوں، شادی بیاہ کے مسائل ہوں، معاشرتی رویوں کا ذکر ہو، سیاست کے طریق ہوں، عبادت کا طریقہ ہو یا کوئی بھی شعبہ زندگی، اسلام آپ کو ان سب میں رہنمائی کرتا ہوا نظر آئے گا۔ایک بھی شعبہ حیات آپ point out نہیں کر سکتے، جس میں اسلام نے ہماری رہنمائی کا اہتمام نہ کیا ہو۔سو ایک ان پڑھ شخص یہ سب کچھ کیسے کر سکتا ہے؟ کیا یہ نبیﷺ کی نبوت کا واضح ترین ثبوت نہیں ہے؟ کیا کسی سلیم الفطرت آدمی کے لئے یہی ایک ثبوت کافی نہیں کہ وہ

اسلام کی حقیقت کو جان لے اور مان کر ہمیشہ ہمیشہ کی فلاح و مسرت کا حقدار بن جائے۔

(۱۴) نبی ﷺ نے چالیس برس کی عمر تک پہنچنے تک اسلام کی دعوت کا آغاز نہیں کیا۔ ان کی بھر پور جوانی کا وقت تو گزر چکا تھا اور عمر کا وہ حصہ آن پہنچا تھا، جس میں انہیں آرام اور فراغت سے زندگی گزارنا چاہئے تھی۔ اس عمر میں انہیں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔

تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کہتا ہے:

''جو لوگ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نبی نہیں ہیں، اور محض ایک دنیا دار سردار وغیرہ تھے، ان لوگوں کے نظریے کے غلط ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ چالیس برس کی عمر، جبکہ اپنی بھرپور جوانی وہ گزار چکے تھے، سے پہلے اپنی تمام عمر انہوں نے انتہائی خاموشی، معمول کے مطابق اور بغیر کسی غیر معمولی طریقے کے گزاری۔ چالیس برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ایک دفعہ بھی انہوں نے ایسی بات نہیں کی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مشن کے لئے مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا غیر معمولی پن، حقیقی بھی اور وہ بھی جس کے بارے میں دعوے کیے جاتے ہیں، وہ پچاس برس کی عمر کہ جب آپ ﷺ کی پہلی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں، شروع ہوئیں۔ اس کے بعد ان کا عزم ایک صاف ستھری زندگی گزارنا ہو سکتا تھا، جس سے ان کے ہمسائے پہلے ہی واقف تھے۔ اب جب کہ وہ پچاس برس کی عمر گزار چکے تھے، زندگی کے حسین ترین دن، بھرپور جوانی کے وہ ایام تو وہ گزار چکے تھے، اب تو انہیں آرام کی تلاش ہونا چاہئے تھی، اور یہی چیز ان کا معاشرہ انہیں دے سکتا تھا، کیا انہیں اس عمر میں ہی یہ ''مہم جوئی'' شروع کرنا تھی؟ اور اپنے سابقہ روشن ماضی اور کردار پہ پانی پھیرنا تھا، جب کہ اس کے نتیجے میں اگر وہ (عزت، شہرت، دولت، عورت) حاصل کر لیتے تو اس سے لطف اندوز ہونے کیلئے ان کے پاس بہت تھوڑا وقت بچتا، کیونکہ وہ پچاس برس تو گزار چکے تھے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو اس باطل نظریے کو بالکل تسلیم نہیں کرتا''۔ (Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History)

کلمہ شہادت 'لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ' یعنی 'اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' کے لوازمات

(۱) اس بات کا یقین کرنا کہ محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی و رسول ہیں، جو پیغام انہیں اللہ تعالیٰ نے دے کر مبعوث فرمایا، وہ حق اور سچ ہے۔ اور اس بات پہ ایمان لانا کہ محمد ﷺ تمام انسانیت کی طرف نبی و رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، یعنی کہ اسلام کا پیغام انسانوں کے کسی خاص گروہ یا کسی خاص زمانے کے لوگوں کی طرف ہرگز نہیں بھیجا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان (قرآن مجید) اپنے بندے پہ نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کیلئے خبردار کر دینے والا ہو۔﴾ (الفرقان: ۱)۔

(۲) اس امر پہ ایمان لانا کہ اللہ کے نبی ﷺ 'دینی امور' میں معصوم یعنی بے خطا ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وہ اپنی خواہش نفس سے ہرگز نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے﴾

جہاں تک دنیاوی معاملات کا تعلق ہے، نبی ﷺ ایک انسان تھے اور کسی بھی معاملہ کے متعلق حتمی رائے قائم کرنے کیلئے 'اجتہاد' فرماتے۔ اللہ کے پیغمبر جناب محمد ﷺ نے فرمایا:

﴿تم اپنے مقدمات میرے سامنے پیش کرتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ اپنا مدعا بیان کرنے میں دوسروں سے زیادہ چرب زبان اور فصیح ہوں۔ پس، اگر میں تم میں سے کسی ایک کا حق دوسرے کو (ان جانے میں) اس کی چرب زبانی کی وجہ سے دے دوں، تو (اس چرب زبان کو جان لینا چاہیئے کہ) میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں، اس لئے اسے وہ نہیں لینا چاہیئے﴾ (متفق علیہ)۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا:

﴿میں صرف ایک انسان ہوں، لوگ اپنے باہمی تنازعات کے حل کیلئے میرے پاس آتے ہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ تم میں سے ایک (گروہ یا آدمی) اپنا مدعا (case) زیادہ اچھے طریقے سے پیش کرے اور میں اسے حقدار گردانتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ سنا دوں۔ پس اگر میں انجانے میں کسی مسلمان کا حق دوسرے مسلمان کو دے ڈالوں تو پھر وہ (متنازعہ چیز) اس (چرب زبان، لیکن غیر حقدار) کے لئے ایسے ہی ہے جیسے جہنم کا کوئی حصہ۔ اب اسے اختیار ہے کہ اسے لے لے (اور جہنم کی آگ میں جائے) یا چھوڑ دے قبل اس کے کہ قیامت قائم ہو﴾ (متفق علیہ)۔

(۳) اس بات پہ ایمان لانا کہ اللہ کے نبی ﷺ انسانیت کی طرف رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اے نبی ﷺ! ہم نے تو تمہیں دنیا والوں کی طرف رحمت بنا کر بھیجا ہے﴾ (الانبیاء، ۱۰۷)۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل سچا ہے ﴿اور اللہ رب العزت سے بڑھ کے سچی بات کہنے والا کون ہے؟﴾ کہ نبی ﷺ انسانیت کی طرف رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے انسان کو مخلوق کی عبادت سے ہٹا کر خالق کی عبادت پہ لگایا۔ انہوں نے انسانیت کو (باطل اور تحریف شدہ) مذاہب کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل ورحم پر مبنی نظام سے متعارف کروایا۔ انہوں نے انسان کو اس فانی دنیا میں مادہ پرستی کی غلامی سے نکال کر آخرت کی اصل زندگی سے روشناس کروایا۔ تاکہ انسان اپنی اصل زندگی کے لئے محنت کرے اور اس عارضی اور چند روزہ زندگی کے مزے میں پڑ کر اپنے اصل مقصد یعنی عبادت الٰہی کو ہی نہ بھول جائے، اور ذہن میں راسخ کر لے کہ اس کو مرنے کے بعد ایک روز پھر اٹھنا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینے کیلئے اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اور اس دنیا کی تھوڑی سی عمر درحقیقت آخرت کی کھیتی ہے، جو وہ یہاں بوئے گا، وہی آخرت میں کاٹے گا۔ اور یہی وہ تصور ہے، جو انسان کو جوابدہی کے لئے تیار کرتا ہے۔ گناہوں، بد اخلاقیوں، ظلم اور جبر سے دور رکھتا ہے، جس سے صالح معاشرے تعمیر ہوتے ہیں۔

(۴) اس بات پہ انتہائی پختہ یقین وایمان رکھنا کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ سب سے بڑھ کے محترم ومکرم اور آخری رسول وپیغمبر

ہیں۔ان کے بعد قیامت تک اب کوئی نبی، رسول آنے والا نہیں، جو بھی ایسا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹ بولے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿(لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے﴾ (الاحزاب،40)۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿مجھے دیگر انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم (یعنی نبی ﷺ انتہائی مختصر بات کرتے ،لیکن ان کے معنی و مطالب انتہائی وسیع ہوتے) عطا ہوئے ہیں، دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈال دیا گیا ہے، مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا ہے، ساری کی ساری زمین میرے لئے مسجد (یعنی پاک) بنا دی گئی ہے، اور میں تمام انسانیت کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہوں اور میں آخری نبی ہوں﴾ (مسلم و ترمذی)۔

(۵) اس بات پہ ایمان لانا کہ اللہ کے نبی جناب محمد ﷺ نے دین اسلام ہم تک ہر طرح سے مکمل کا مکمل پہنچا دیا ہے۔اب کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس میں کچھ داخل کر سکے یا نکال سکے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿آج کے روز میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند فرمالیا ہے﴾ (المائدہ،3)۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو انسانی زندگی کے معاشرتی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی پہلوؤں کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔اسلام ایک فرد کی اِس دنیا سے اُس دنیا تک بخوبی رہنمائی کرتا ہے۔

تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کہتا ہے:

"محمدی لوگ (مسلمان) جتنی تقدیس کے ساتھ اپنے قرآن کی تعظیم کرتے ہیں، شاید ہی چند ایک عیسائی انجیل کی تعظیم اس طرح کرتے ہوں۔تمام مسلمان قرآن کو تمام قوانین اور اعمال کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں، وہ اسے براہ راست آسمان (یعنی اللہ کی طرف سے) نازل ہونے والے پیغام کے طور پہ تسلیم کرتے ہیں، جسے پڑھنا اور اس کے مطابق چلنا اِس زمین کے باسیوں کا کام ہے۔مسلمانوں کے قاضی (Judge) اس کتاب کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، تمام مسلمان اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اس کتاب کی تلاوت کریں اور اس میں سے اپنی زندگی کیلئے روشنی حاصل کریں۔مسلمانوں کی مساجد میں یہ کتاب سارا دن پڑھی جاتی ہے۔اس کتاب کے تیس پارے باری باری پڑھے جاتے ہیں۔سو یہ کتاب پچھلی بارہ صدیوں میں بے شمار لوگوں کے کانوں میں گونجتی رہی ہے اور ان کے دلوں تک پہنچتی رہی ہے۔ہمیں ایسے مسلمان علماء کا بھی پتہ چلتا ہے، جو اس کتاب کو ستر ہزار دفعہ سے بھی زیادہ پڑھ چکے تھے"۔(Heroes, Hero-Worship and the Heroic in history)

(٦) اس بات پہ پختہ یقین و ایمان رکھنا کہ محمد ﷺ نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دیا اور امت کو مخلصانہ نصیحت بھی کر دی، کہ اس ایک

اکیلے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جس کی طرف محمد ﷺ نے امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ کوئی بھلائی ایسی نہیں، جس کا حکم نبی ﷺ نے امت کو نہ دیا ہو اور کوئی برائی ایسی نہیں، جس سے نبی ﷺ نے امت کو منع نہ فرما دیا ہو۔ نبی ﷺ نے حجِ وداع کے موقع پہ فرمایا:

﴿ کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا نہیں دیا؟ انہوں (صحابہؓ) نے کہا، ''جی ہاں! (بالکل ایسا ہی ہے)۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ تو گواہ رہنا'' ﴾ (متفق علیہ)۔

(۷) اس بات پہ یقین و ایمان رکھنا کہ شریعت محمدی ﷺ ہی واحد مقبول شریعت ہے۔ انسانیت کا حساب اس شریعت کی روشنی میں ہو گا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ اور جو کوئی اسلام کے علاوہ دین لے کے آئے گا، تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گا ﴾ (آل عمران، 85)۔

(۸) اللہ کے نبی ﷺ کی مکمل اطاعت کی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اور جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں ﴾ (النساء، 69)۔

نبی ﷺ کا اطاعت گزار سے کہا جائے گا، جو ان کے احکام کی پیروی کرے گا، جن کاموں سے اللہ کے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، ان سے رک جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اور جو نبی ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ ﴾ (آل عمران، 85)۔

جن کاموں سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، ان سے باز نہ رہنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتے ہیں:

﴿ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا، اور اللہ کی حدود کو پار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور وہ رسوا کن عذاب ہو گا ﴾ (النساء، 14)۔

(۹) اللہ کے پیغمبر ﷺ کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دینا، نہ کہ تاویل و تعطیل کرنا۔ اور اللہ کے پیغمبر ﷺ نے جن امور و اشیاء کو حلال اور جائز قرار دیا ہے، ان پہ اعتراض کرنے سے احتراز بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں ﴾ (النساء، 65)۔

مزید برآں کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ شریعت پہ کسی اور چیز کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ (اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ ﴾ (المائدہ، 50)۔

(۱۰) اللہ کے نبی ﷺ کی سنت یعنی طریقہ پہ چلنا اور اسی سے تمسک یعنی چمٹ جانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے، کہ اگر تم واقعتاً اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے﴾ (آل عمران، 31)۔

ایک مسلمان کو صرف نبی ﷺ کی ہی اتباع کرنی چاہئے، اور انہیں ہی بہترین نمونہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿درحقیقت تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے﴾ (الاحزاب، 21)۔

اور نبی ﷺ کی اتباع کرنے کیلئے ہمیں نبی ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ زین العابدینؒ فرماتے تھے:

''ہمیں اللہ کے پیغمبر ﷺ کی جنگوں کا احوال بھی ایسے بتایا جاتا تھا، جیسے قرآن کی آیات سکھائی جاتی تھیں''۔ (البدایہ والنہایہ، جلد سوم ،صفحہ 242)۔

(۱۱) اللہ کے نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کرنا، جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿میری تعریف میں غلو نہ کرو، جب مجھے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مقرر فرمایا، اس سے قبل (بھی) میں اللہ کا بندہ تھا﴾ (الطبرانی)۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ کے مقام و مرتبہ کو مزید بلند کرنے کی دعا کرتے رہنا، یعنی درود پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پہ درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو﴾ (الاحزاب، 56)۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿وہ لوگ بخیل ہیں، کہ جب ان کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پہ درود نہ بھیجیں﴾ (ترمذی)۔

(۱۳) چونکہ تمام انسانیت کی اللہ اور اللہ کے دین کی طرف رہنمائی فرمانے والے جناب محمد ﷺ ہی تھے، اس لئے ان کی عزت و محبت کو دل میں بسانا اشد ضروری ہے، جیسا کہ ان سے محبت کرنے کا حق ہے۔ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، اس پہ لازم ہے کہ وہ اللہ کے نبی جناب محمد ﷺ سے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبت کرے، کیونکہ اسلام قبول کرنے ہی کی وجہ سے وہ اِس دنیا اور اُس دنیا میں فوز و فلاح اور کامرانی سے ہمکنار ہوگا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿اے نبی ﷺ، کہ دو کہ اگر اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب ، اور تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا﴾ (التوبۃ، 24)۔

اور اللہ کے نبی جناب محمد ﷺ سے محبت کا صلہ جو ملنے والا ہے، اس کا اندازہ ہمیں اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ

سے ان کے ایک صحابیؓ نے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ نبی ﷺ نے جواباً اس صحابیؓ سے پوچھا: ''تم نے اس کے لئے تیاری کیا کی ہے؟'' صحابیؓ کچھ دیر تو خاموش رہے، پھر فرمایا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے زیادہ (نفل) نمازیں تو نہیں پڑھیں، نہ زیادہ (نفلی) روزے رکھے ہیں، اور نہ ہی بہت زیادہ صدقات دئے ہیں، البتہ یہ ہے کہ میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں قیامت والے روز اسی کے ساتھ بلایا جائے گا، جس سے تم محبت رکھتے ہو'' (بخاری و مسلم)۔

اللہ کے پیغمبر، جناب محمد ﷺ نے فرمایا:

﴿جس شخص میں یہ تین چیزیں پائی جائیں، وہ ایمان کی حلاوت پالے گا؛ (پہلی چیز یہ کہ) اللہ اور اسکا رسول ﷺ اسے ہر دوسری چیز سے زیادہ عزیز تر ہوں، (دوسری چیز یہ کہ) وہ کسی شخص سے محض اللہ کی خاطر محبت رکھتا ہو، (اور تیسری چیز یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد) جب کہ اللہ تعالیٰ اسے کفر سے بچا لے، دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا اسے ایسا ہی ناگوار گزرے، جیسا کہ اسے آگ میں ڈالا جانا ناگوار گزرتا ہو﴾ (مسلم)۔

اللہ کے نبی ﷺ کی محبت کا ایک اور تقاضا یہ بھی ہے کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے، جس سے اللہ کے نبی ﷺ محبت فرماتے تھے، مثلاً ان کے اہل بیت، ان کے صحابہ کرامؓ اور دیگر تمام ایسے امور اور ایسی چیزیں جن سے اللہ کے نبی ﷺ محبت کرتے تھے، ان سے محبت کرنا، ایمان کا تقاضا ہے۔ بعینہ جن چیزوں اور کاموں سے اللہ کے نبی ﷺ نفرت کرتے تھے، ناپسند فرماتے تھے، ان کاموں سے، اسن چیزوں سے بھی نفرت، ناپسندیدگی اختیار کی جائے اور ان سے بچا جائے۔ اور ایسا کیوں کی جائے، اس لئے کہ اللہ کے نبی ﷺ محض اور محض اللہ کی خاطر ہی محبت اور نفرت کیا کرتے تھے۔

(۱۴) لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا، اس کی نشر اشاعت کیلئے جو کچھ بن پائے، وہ کرنا۔ حکمت اور مواعظ حسنہ کے ذریعے اللہ کے دین کے احیا کیلئے کوشش و جہد کرنا۔ یہ کام کیسے ہو؟ ایسے کہ آپ ان لوگوں تک محمد ﷺ اور ان پہ نازل کئے گئے دین کو اس احسن انداز میں پہنچائیں، جو اس سے بے خبر ہیں اور حکمت و بصیرت اس عمل میں آپ کے ساتھ ساتھ چلیں۔ وہ لوگ جو اسلام قبول کر چکے ہیں، لیکن شیطان کے دھوکے میں آ کر یا شامت نفس سے بداعمالیوں کا شکار ہیں، ان تک بھی سیرت محمد ﷺ احسن انداز میں پہنچا کر نصیحت کا حق ادا کیا جائے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿اے نبی ﷺ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو﴾ (النحل، 125)۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿اگر تمہیں مجھ سے قرآن کی ایک آیت بھی معلوم ہو، تو اسے آگے پہنچا دو﴾ (مسلم)۔

(۱۵) اللہ کے نبی ﷺ اور ان کی سنت مبارکہ کا بھرپور دفاع کرنا۔ موضوع احادیث (یعنی وہ گھڑی ہوئی روایات، جو درحقیقت بعد

کے دور میں مختلف لوگوں نے مختلف ارادوں سے ذخیرہ احادیث میں شامل کرنے کی کوشش کی، تاکہ اعتقاد و اعمال میں نبی ﷺ کے فرامین کو مخلط کر کے امت مسلمہ کو گمراہ کیا جا سکے،لیکن آفرین ہے محدثین کی جماعت پہ، کہ انہوں نے اللہ کے فضل و رحمت سے صحیح کو ضعیف اور موضوع روایات سے ایسے چھانٹ کے رکھ دیا، جیسے اردو محاورے میں کہتے ہیں 'دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی'۔اللہ تعالیٰ بے بہا رحمتیں نازل کرے محدثین کی اس جماعت پہ کہ جنہوں نے ایک ایک روایت کے حصول اور اس کی تحقیق کیلئے بعض اوقات ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کیا) سے لوگوں کو آگاہ کرنا، نبی ﷺ کی سیرت طیبہ سے متعلق متعصب لوگوں نے جو ابہام و شکوک کھڑے کئے ہیں، ان کو صاف کرنا اور اسلام کی سچی اور سُچی تعلیمات کو ان تک پہنچانا کہ جو اس سے ناواقف ہیں۔

(۱۶) نبی ﷺ کی سنت پہ تمسک اختیار کرنا۔جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿میری سنت اور میرے خلفاء راشدین، جو ہدایت یافتہ ہیں کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لو۔اپنی داڑھوں سے انہیں پکڑ لو(یعنی انہی کے طریقوں پہ چل کر تم کامیاب ہو گے، دین میں نئے کام مت نکالنا اور نہ نئے کاموں پہ عمل کرنا)اور تمام نئے نئے کاموں سے دور رہو۔کیونکہ (دین کے معاملات میں) نئے کام بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے﴾ (بخاری و مسلم)۔

تتمہ

ہم اپنی اس مختصر تحقیق کا خاتمہ الفانسو ڈی لامارٹائین (Alphonse de LaMartaine) کے ان الفاظ پہ کرتے ہیں:

''کبھی کسی انسان نے رضا کارانہ یا غیر رضا کارانہ طور اپنے لئے اتنے ارفع و اعلیٰ مقصد کا انتخاب نہیں کیا، کیونکہ یہ مقصد عام مقاصد سے بالکل الگ اور بلند تھا۔مقصد کیا تھا؟ یہ کہ ان اوہام کو سرے سے ختم کر دیا جائے، جو خالق اور اس کی مخلوق کے مابین پیدا کر دئے گئے تھے، یہ کہ انسان کا اللہ سے اور اللہ کا انسان سے (براہ راست) تعلق قائم کر دیا جائے، یہ کہ بت پرستوں کے مسخ شدہ دیوتاؤں اور مادہ پرستی کی ابتری کے برخلاف الوہیت (توحید باری تعالیٰ) کے عقلی اور مقدس تصور کو قائم کیا جائے۔آدم کی اولاد میں سے کبھی کسی انسان نے انسانی پہنچ سے باہر کام کو اتنے کمترین وسائل کے ساتھ مکمل نہیں کیا، جیسا کہ انہوں (محمد ﷺ) نے کیا۔انہوں نے اس عظیم ترین نقشہ کار کو صرف اپنے تخیل تک ہی نہیں، بلکہ عمل کی دنیا تک توسیع کیا اور اس کیلئے ان کے پاس وسائل کیا تھے؟ ذرائع کیا تھے؟ ایک وہ خود اور دوسرے صحرا کے کنارے میں پڑے ہوئے ان کے چند ایک ساتھی۔اور سو باتوں کی ایک بات کہ کبھی انسانی تاریخ میں ایسا انقلاب برپا نہیں ہوا، جیسا یہ اسلامی انقلاب بپا ہوا، کہ اپنے ظہور کے دو صدیوں کے اندر اندر اسلام مذہبی اور سیاسی حوالے سے نہ صرف جزیرۃ العرب پہ چھا گیا بلکہ اس کے ماننے والوں نے اللہ کے نام پہ ایران کے قیصر، روم کے ہرقل، قسطنطنیہ، مغربی ہندوستان، شام، مصر، حبشہ، شمالی افریقہ کے تمام معلوم مقامات، بحر اوقیانوس کے اکثر جزائر، سپین اور پرتگال کو مغلوب کر لیا تھا۔اگر کسی انسان کو 'عبقری' کہلانے کیلئے مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور ناقابل یقین نتائج

پرمبنی سہ نکاتی معیار پہ پورا اترنا ہے تو پھر انسانی تاریخ میں کون ہے جو محمد ﷺ کا اس ضمن میں مقابلہ کرنے کی جسارت کر سکے؟ دنیا میں جتنے بھی آدمی مشہور ہوئے ہیں، انہوں نے یا تو ہتھیار ایجاد کئے یا قانون بنائے یا صرف سلطنت قائم کی۔ اگر آپ ان کی بنائی ہوئی چیزوں پر غور فرمائیں، تو آپ کو نظر آئے گا کہ یہ تمام اشیاء مادی تھیں اور اکثر و بیشتر اپنے بنانے والوں کی آنکھوں کی سامنے ہی فنا بھی ہوگئیں۔ اس شخص (محمد ﷺ) نے فوجیں، قوانین، سلطنتیں، افراد اور دنیا پر قابض حکمران گھرانے تو بدلے ہی، لیکن بڑا کام یہ کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی کا تیسرا حصہ یعنی کروڑوں لوگ، ان کے معبود، ان کے مذاہب، تصورات، عقائد، قربان گاہیں اور روحیں تک بدل کر رکھ دیں۔ اور اس سارے کام کی بنیاد ایک کتاب (قرآن مجید) تھی، کہ جس کا حرف حرف اور سطر سطر قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں (محمد ﷺ) نے قومیت کے سابقہ تمام پیمانے توڑ دیے، اور ایک نئی 'روحانی قومیت' متعارف کروائی جس نے ہر زبان اور نسل کے لوگوں کو آپس میں جوڑ دیا تھا، ملا کر رکھ دیا تھا۔ اس شاندار تصور قومیت میں انہوں (محمد ﷺ) نے جھوٹے معبودوں سے نفرت اور ایک اکیلے اور غیر فانی اللہ سے محبت کے لازوال خواص شامل کر دئے تھے۔ (اردگرد پھیلی ہوئی تہذیبوں کے ہاتھوں) الوہیت و توحید کے تصور کی تذلیل کے خلاف جو انتقامی جذبہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں پیدا ہو گیا تھا، اس جذبے نے ان کے ساتھیوں کے اخلاق کی تعمیر کی۔ اور پھر ایک تہائی انسانی ذہنوں کی تسخیر، کیا یہ سب محمد ﷺ کا ذاتی معجزہ تھا یا پھر ان کے عظیم الشان مقصد کا؟

درحقیقت ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے بودے اور خیالی شجرہ ہائے نسب والے دیوتاؤں کے درمیان ایک خدا کی بات بجائے خود ایک زبردست معجزہ تھی، اور یہ بات ان کی زبان سے نکلنے کی دیر تھی کہ اس نے اپنے چہار طرف پھیلے مندروں اور ان میں موجود بتوں کو گرا دیا اور ایک تہائی انسانوں کے دلوں میں بھی یہ آگ روشن کر دی تھی۔

ان (محمد ﷺ) کی زندگی، غور و فکر، اپنے علاقے میں پائے جانے والے توہمات کے خلاف خم ٹھونک کر باہر نکلنا، بت پرستوں کے شدید غیظ و غضب کے مقابلہ میں بہادرانہ کردار، مکہ میں پندرہ برس اپنے شدید ترین دشمنوں کی طرف سے پیش آمدہ تکالیف پہ صبر و استقامت، عوامی ردعمل کا سامنا، بلکہ اپنے ہی ہم وطنوں کی ان سے شدید جانی دشمنی، یہ سب کچھ، یہ سب کچھ، لیکن آخر کار ان کی مسلسل تبلیغ، جہاد، باطل کے خلاف جنگ، اپنی کامیابی پہ ان کے یقین، انسانی عقل سے ورا انکی حفاظت، فتوحات کے مواقع پہ ان کی برداشت اور صبر و تحمل، ان کا جذبہ جو کہ صرف اور صرف ایک نظریہ (عقیدہ توحید) کی خاطر فروزاں و کوشاں تھا نہ کہ سلطنت کے لئے۔ ان کا اللہ کے سامنے لمبے لمبے سجدے کرنا، اللہ کے ساتھ گفتگوئے معرفت فرمانا، ان کی موت اور موت کے بعد ان کی کامیابی، یہ سب کچھ کسی جھوٹے داعی نبوت کی علامات تو ہرگز نہیں ہوسکتیں، یہ تو ایک پختہ احساس تھا جس نے انہیں یہ قوت بخشی کہ وہ اس اصول کو دوبارہ انسانیت کے سامنے پیش کر سکیں۔ کیا اصول؟ یہ کہ خدا ایک ہی ہے اور غیر فانی ہے۔ جھوٹے خداؤں کو اپنی تلوار کی نوک سے گرانے والا، فلسفی، مقرر، رسول، قانون دان، خیالات کا فاتح، منطقی اصولوں کا حامل اور بحال کنندہ......بیس ارضی سلطنتوں اور ایک روحانی سلطنت و امت کا بانی......کون ہے؟ یہ ہیں جناب محمد ﷺ......آخر میں بس یہی کہ انسانی عظمت کے جتنے بھی معیار آپ کھڑے کر لیں......ہم اس معیار کی ہی روشنی میں آپ سے سوال کرنے میں حق بجانب ہونگے

کہ کیا کوئی انسان محمد ﷺ سے عظیم تر ہے؟؟............‘‘۔(pp276,vol 11,1854,paris ,Historie de al Turquie)

تمت بالخیر و الحمد للہ رب العالمین‘خالق الارض و السماء‘فالق الحب

والنوی‘و نستغفر اللہ و نومن بہ و نتو کل علیہ

اللہم انا نسئلک جنت الفردوس و نعوذ بک من سخطک والنارو نعوذ بک من

عذاب القبر‘انک انت الغفور الرحیم

یااللہ! اس کتاب کو مصنف، مترجم، مصحح، ناشر، ہر مسلمان اور ہر انسان کیلئے مفید ثابت فرما کے مصنف، مترجم، ناشر اور طابع کیلئے ذخیرہ آخرت بنا۔ بیشک تو قدر دان، دلوں کے بھید جاننے والا اور رحمت وغفران کی بارشیں برسانے والا ہے۔